شاہ لطیف بریؒ

سنگ میل پبلیکیشنز

3.00

ذخیرۂ پروفیسر محمد اقبال مجددی
جو 2014ء میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو
ہدیہ کیا گیا۔

شاہ لطیف برّیؒ

مع

تاریخ نورپور شاہاں

ذخیرۂ کتب محمد
815.60

شاہ لطیف بریؒ

مع

تاریخ نُور پُور شاہاں

عہد اورنگ زیب عالمگیرؒ کے مجذوب بزرگ شاہ لطیفؒ برّیؒ کے حالاتِ زندگی
اور اسلام آباد کے مشہور ترین گاؤں نُورپُور شاہاں کی مبسوط تاریخ

تالیف

منظور الحق صدیقی ایم۔ اے

استاذِ ریاضیات۔ کیڈٹ کالج۔ حسن ابدال

سنگِ میل پبلی کیشنز

چوک اُردو بازار لاہور

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

137111

نیاز احمد

نے منصور پریس لاہور

سے چھپوا کر

سنگ میل پبلی کیشنز

چوک اردو بازار لاہور

سے شائع کی

[illegible] ۱۹۶۰ء

فہرست

باب	مضمون	صفحہ
	تعارف	۷
	ماخذ	۸
باب ۱	نور پور شاہاں	۱۱
باب ۲	شاہ لطیف بری ؒ	۲۶
باب ۳	کراماتِ شاہ لطیف بری ؒ	۶۵
باب ۴	شاہ بری ؒ کے مرشد	۸۶
[illegible]	جانشینان بری ؒ لطیف	۱۱۲
[illegible]	میلہ نور پور شاہاں	۱۲۲
[illegible]	[illegible]	۱۴۴

ضمیمے

۱۔ ابوالبرکات سید حسن پشاوریؒ کی شاہ لطیف مجذوبؒ سے ملاقات ۱۰۷۷ھ ۱۶۸،

۲۔ شاہ محمد غوث لاہوریؒ کی شاہ لطیف مجذوبؒ سے ملاقات ۱۱۱۶ھ ۱۷۰

۳۔ شجرہ نسب مالکان اراضی نورپور شاہاں ۱۸۵۹ء ۱۷۴

۴۔ دستور العمل خانقاہ شاہ لطیف ۱۸۵۹ء ۱۷۵

۵۔ نسب نامہ شریف سے اقتباس ۱۸۷

۶۔ نسخہ صحیح کرامات شاہ لطیف برے ۲۰۳

تعارف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

پاکستان کا دارالحکومت اسلام آباد ایک جدید شہر ہے مگر جس سرزمین پر آباد ہو رہا ہے اس کے چپے چپے کی اپنی تاریخ ہے۔ اس نو تعمیر شہر کی وسعتوں میں درجنوں گاؤں گم ہو چکے ہیں اور کچھ اپنی باری کے منتظر ہیں جن میں سے ایک ممتاز گاؤں نور پور شاہاں ہے۔ یہ گاؤں گذشتہ تین سو سال سے پوٹھوہاری، ہندکو اور پشتو بولنے والوں کی ہر نسل کے لاکھوں افراد کا مرکز عقیدت رہا ہے۔ اور اس کشش کا باعث شاہ لطیف بریؒ کا مزار ہے۔

شاہ لطیف بری متوفی ۱۱۱۷ھ (۶-۱۷۰۵ء) پر اب تک جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس کا جائزہ لینے کے علاوہ ہم نے سلسلۂ بریہ کی صد بعد صد فنا پر بھی شرح و بسط سے لکھا ہے اس موضوع کے رہنے والوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا کیونکہ نور پور کی تاریخ بنانے والے یہی حضرات ہیں۔

زیرِ نظر کتاب اسلام آباد کی تاریخ کا ایک حصہ ہے۔

منظور الحق صدیقی

کیڈٹ کالج۔ حسن ابدال

۲۰ جولائی
۱۹۶۸ء

ماخذ

۱۔ بابر: بابر نامہ مترجمہ بیرام خاں بمبئی ۱۳۰۸ھ (ترکی سے فارسی)

۲۔ علامہ ابوالفضل: اکبر نامہ جلد اوّل نولکشور لکھنؤ ۱۸۸۲ء (فارسی)

۳۔ رائزادہ دنی چند: گنگو ھر نامہ لاہور ۱۹۶۵ء (فارسی)

۴۔ شاہ محمد غوث لاہوریؒ: رسالہ در بیان کسب سلوک و بیان طریقت و حقیقت (خطی فارسی)

۵۔ شاہ غلام قادری پشاوری: خوارق عادات بعضے کرامات و خوارق عادت سید حسنؒ (خطی فارسی)

۶۔ عبداللہ خویشگی، معارج الولایت (خطی فارسی)

۷۔ شیخ محمود: حقیقۃ الفقرا (خطی فارسی)

۸۔ شیخ محمد اکرم صابری، اقتباس الانوار [illegible] مطبع [illegible] ۱۸۹۵ء

۹۔ سیالرق القادری

۱۰۔ مفتی غلام سرور لاہور: خزینۃ الاصفیا لاہور۔ ۱۲۸۴ھ (فارسی)

۱۱۔ محمد شاہ مشہدی: نسب نامہ شریف (خطی فارسی)

۱۲۔ غلام حسین شاہ بخاری: نسخہ صحیح کرامات شاہ لطیف بریؒ (خطی فارسی)

۱۳۔ ۔ کرامات لطیف۔ سرحدی پریس راولپنڈی (فارسی سے اردو)

۱۴۔ شاہ ابوالمعالی: تحفۃ القادریہ ترجمہ مولوی عبدالکریم۔

نولکشور گیس پرنٹنگ ورکس لاہور ۱۳۲۳ھ (فارسی سے اُردو)

۱۵۔ حکیم محکم الدین حجروی: دار العجائب ترجمہ حق نواز خاں۔ لاہور (فارسی سے اردو)

۱۶ فقرائے بڑی امام: دستور العمل خانقاہ شاہ لطیف بری ۱۸۵۹ء (خطی اردو)

۱۷۔ پٹواری نور پور شاہاں: شجرہ نسب مالکان اراضی نور پور شاہاں ۱۸۵۹ء

(خطی اردو)

۱۸۔ مولوی نور احمد چشتی: تحقیقاتِ چشتیہ لاہور ۱۹۶۵ء (اردو)

۱۹۔ مرزا احمد اختر دہلوی: تذکرہ اولیائے ہند۔ اقبال پرنٹنگ ورکس دہلی (اردو)

۲۰۔ گل حسن شاہ: تذکرہ غوثیہ۔ اللہ والے کی قومی دکان لاہور۔ (اردو)

۲۱۔ حافظ محمد امداد حسین: خطبہ کتاب حقائق مطبع شگوفہ فیض (اُردو)

۲۲۔ نواب محمد مرزا بیگ: تحفۃ الابرار مطبع مبر حسن دہلی ۱۳۲۳ھ (اردو)

۲۳۔ صاحبزادہ احمد علی: درج الدار۔ پشاور ۱۹۶۷ء (اردو)

۲۴۔ امیر شاہ: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد۔ لاہور۔ پشاور (اردو)

۲۵۔ پیر محمود شاہ ہزاروی: جامع الخیرات جلد اول منظور عالم پریس۔ (اردو)

۲۶۔ رفیق جاوید: حضرت امام بری۔ ہمدرد پریس راولپنڈی (اردو)

۲۷۔ یار محمد بھوئی: حضرت شاہ عبداللطیف۔ راولپنڈی ۱۹۶۰ء (اردو)

۲۸۔ مولانا محمد قاسم راجوروی: حیاتِ بری امام راولپنڈی (اردو)

۲۹۔ بری امام کالاڈلہ۔ راولپنڈی۔ (اردو)

۳۰۔ بابا مستانہ مشہدی: دلِ نائف کتاب۔ راجپوت پریس راولپنڈی (اردو)

۳۱۔ شیر محمد: شجرہ عالیہ قادریہ قلندریہ امامیہ۔ پشاور (اردو)

۳۲۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور: اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ مقالات

حسن ابدال و بری شاہ لطیف (اردو)

۳۳۔ صابر حسین شاہ: شجرہ نسب (خطی اردو)

باب

نورپور شاہاں

موضع نور پور شاہاں اب اسلام آباد کا حصّہ ہے سولھویں صدی کے وسط میں شاہ لطیف بریؒ نے اس مقام کا نام نور پور رکھا اس سے قبل یہاں چند گھروں پر مشتمل ایک معمولی سی بستی تھی جسے کھاہوت کہتے تھے اب اس کی آبادی سوا دو ہزار ہے جس میں کوئی خاندان ایسا نہیں جو دو سو سال سے پہلے سے یہاں آباد ہو۔ یہاں ۱۹۱۹ء میں پہلا پرائمری سکول قائم ہوا جسے ۱۹۵۲ء میں مڈل کا درجہ دے دیا گیا۔ یہاں کا کوئی باشندہ گریجویٹ یا گزیٹڈ آفیسر نہیں ہوا مکان چھوٹے چھوٹے اور معمولی ساخت کے ہیں۔ ۹۷ دکانیں ہیں ملک یا علاقے کی تاریخ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ اس کی شہرت مزار بریؒ لطیف کی وجہ سے ہے۔ سید پور ۱۵۸۰ء میں آباد ہوا۔

جائے وقوع

سرزمینِ پوٹھوہار میں معدودے چند دلکش مقامات ہیں۔ ان میں سے ایک نور پور شاہاں ہے۔ یہ موضع ۱۹۶۰ء میں پاکستان کے جدید دارالحکومت اسلام آباد کی حدود میں آگیا۔ ابھی تک یہ گاؤں آباد ہے۔ لیکن دو چار سال بعد اس کا اتہ پتہ شاہ لطیف بری کے مزار سے چل سکے گا۔ راول بند سے چار میل کے فاصلے پر، اسلام آباد یونیورسٹی اور سکرٹری ایٹ کے وسط میں اس کی نشاندہی کی جا سکے گی۔

نئے دارالحکومت کی تعمیر سے پہلے نور پور شاہاں تحصیل راولپنڈی کے تھانہ بارہ کہو میں تھا۔ اس کے شمال میں مارگلہ کی پہاڑیوں کا سلسلہ ہے۔ جو اسے ضلع ہزارہ سے جدا کرتا ہے۔ مغرب میں ترتہ ہوتر اور اس سے آگے سید پور۔ جنوب میں موضع کٹاریاں (اب یہاں شہرزاد ہوٹل ہے) اور مشرق میں موضع نڑیل تھا۔

وجہ تسمیہ

نور پور شاہاں کے آباد ہونے کے بارے میں قدیم ترین تحریر ۱۸۵۹ء کی ہے جس کی رو سے اس گاؤں کا قدیم نام کٹاہوت تھا۔ عہد اورنگزیب عالمگیر میں شاہ لطیف بری تشریف لائے یہاں [illegible] کی تو اس کا نام نور پور شاہاں [illegible]

پچیس سال بعد غلام حسین شاہ بخاری متوفی ۱۸۹۴ء نے لکھا کہ اس کے نزدیک جنگل پور پور تھا۔ شاہ لطیف برّیؒ نے یہاں اقامت اختیار کی اور اس جگہ کا نام نور پور رکھا۔ انہوں نے برّیؒ امام سے یہ الفاظ منسوب کئے ہیں۔

"اس جگہ کا نام میں نے ہی نور پور رکھا ہے"[۱]

آبادی

۱۹۶۱ء میں اس موضع میں ۵۱۸ مکان تھے جن میں ۲۲۱۹ (۱۱۹۷ ذکور اور ۱۰۲۲ اناث) افراد آباد تھے[۲]۔ یہ آبادی پورے موضع کے رقبے میں بکھرے ہوئے سولہ مقامات پر تھی۔ بڑی آبادی شاہ لطیف برّیؒ کے مزار کے قریب ہے اسی کو نور پور شاہاں گاؤں کہتے ہیں دوسری بستیاں پانچ پانچ سات سات گھروں پر مشتمل ہیں جن میں سے ہر ایک ڈھوک کہتے ہیں۔ خاص نور پور شاہاں کی آبادی اب بھی دو ہزار سے زیادہ نہیں یہ گاؤں نشیب و فراز میں آباد ہے۔ ایک گھر سے دوسرے

---

[۱] نسخہ (؟) بہجِ کراماتِ شاہ لطیف برّی۔ "نام آن مکان نور پور من نہادہ"

[۲] رپورٹ مردم شماری ۱۹۶۱ء

گھر تک کچھ نہ کچھ چڑھائی یا اترائی ضرور آئے گی۔ مکان بے ترتیب اور قدیم وضع کے پردہ دار ہیں۔ چند گلیاں ہیں مگر سب کچی صرف بازار میں کھڑنجہ ہے۔

شاہ بری لطیف کے زمانے میں یہاں جو لوگ آباد تھے ان میں سے کسی کی بھی اولاد اب نور پور شاہاں میں نہیں۔ خود بریؒ امام کا سلسلۂ اولاد نہیں چلا۔ ان کے صرف چار چیلے تھے۔ چاروں نے یا تو مجرد زندگی گزاری یا نکاح کیا تو اولاد نہیں ہوئی۔ ان چار چیلوں کے جس قدر چیلے بنے اور مستقلاً اس گاؤں میں رہے وہ بھی لاولد تھے۔ یہیں اس گاؤں میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں ملا جس کے اجداد یہاں مغل عہدِ حکومت میں آباد تھے۔ تیرہ چودہ گھر ایسے ہیں جن کے اجدادِ درّانی عہدِ حکومت (۱۷۵۲ء - ۱۷۷۳ء) میں یہاں آ کر آباد ہوئے۔ پچیس تیس گھر سکھ دورِ تسلط (۱۷۷۳ء - ۱۸۴۹ء) سے یہاں آباد ہیں اور باقی سب انگریزی دورِ تسلط (۱۸۴۹ء - ۱۹۴۷ء) اور بعد میں یہاں آباد ہوئے۔

ــه شجرۂ نسب مالکان چارانی مرتبہ [illegible]

شاہ لطیف بری کے زمانے میں یہ موضع گکھڑوں کی ملکیت میں تھا۔ انگریزی دور کے شروع میں یہاں اس قبیلے کی صرف ایک خاتون مسماۃ شرف نشان بیوہ مقرب خان گوت سرکال کی ملکیت میں ۲۹ گھماؤں ۹ مرلے اراضی تھی۔ اگر اس بیوہ کے کوئی اولاد تھی تو وہ اس موضع میں نہیں رہتی تھی۔ یہاں اب گکھڑوں کے چند گھرانے ہیں۔ یہ سردار ہاشم خاں اور سردار فیض بخش خاں کی اولاد سے ہیں جو برطانوی عہد میں موضع ناڑ فیروزالان تحصیل مینڈھر ضلع پونچھ سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے۔

قیام پاکستان کے وقت یہاں غیر مسلموں کے بھی چند گھر تھے جنکی ملکیت میں ۲۸ ایکڑ ۲ مرلے زمین تھی۔ اب یہاں کوئی غیر مسلم نہیں۔ یہاں متعدد قبائل کے لوگ آباد ہیں جن میں ڈھونڈ اور رکٹرال، اکثریت میں ہیں

پیشے

زمینداری معمولی ہے مگر اکثر لوگوں کا پیشہ زراعت ہے۔ صنعت یا گھریلو دستکاری کوئی نہیں۔ گاؤں میں ستانوے دکانیں ہیں۔ زائرین [illegible] سے کاروبار ہوتا ہے ۔ ۱۹۶۰ء میں مزار بری لطیف کے

[illegible] مسماۃ شرف نشان عام ہے جو شاہ کی بگڑی ہوئی صورت معلوم

مسلم اوقاف کی تحویل میں آگیا تو یہاں کے لوگوں کا رجحان ملازمت، تجارت، اور محنت مزدوری کی طرف ہو گیا۔

پیداوار

موضع کا رقبہ ۱۲۴۸ ایکڑ ۱۱ مرلے ہے جس میں سے صرف ۴۶۵ ایکڑ ۶ کنال ۴ مرلے زمین مزروعہ ہے۔ موضع کے مالیہ (مال: ایک ہزار روپیہ، لوکل ریٹ: پانچ سو روپیہ، نخبرداری: پچاس روپیہ) میں سے سات سو نوے روپے کی معافی تھی جو ۱۹۶۰ء میں بحق سرکار ضبط ہوئی۔

یہاں کی آٹھ ایکڑ زمین کو کنوؤں سے سیراب کیا جاتا ہے اور ستاون ایکڑ زمین کو نالہ نُور پُور سے پانی دیا جاتا ہے۔ باقی اراضی بارانی ہے۔ نالہ نُور پُور چند میل کے فاصلے پر دامن کوہ کے چشموں کے پانی سے بنتا ہے اور شاہ لطیفؒ کے مزار کے نزدیک جنوب میں سے گزرتا ہوا پہلے دریائے سواں (سوہاں) میں جا گرتا تھا اور اب راول جھیل میں گرتا ہے۔ اس کے منبع پر اسلام آباد کا ایک واٹر ورکس بنا دیا گیا ہے۔ راستے میں اس میں کئی چشموں کا پانی ملتا ہے۔ نورپور شاہاں کے آباد رقبے میں بھی اس کی تہیں [illegible] ہیں۔

فصلِ خریف میں مکئی ، باجرہ ، جوار ، مونگ ، مونگ پھلی ، موٹھ ماش اور ربیع میں گندم ، جو ، چنا ، مسور ، سرسوں اور تارامیرا کی کاشت کی جاتی ہے ۔ سبزیاں کم ہوتی ہیں مگر جس قدر بھی ہوتی ہیں اچھی ہوتی ہیں ۔ صرف دو کنال دس مرلے باغیچہ چاہی ہے ۔ پھلوں میں کیلے لوکاٹ اور آم ہوتے ہیں ۔ آم کیلئے اس علاقہ کی آب و ہوا زیادہ سازگار نہیں ۔

تعلیم

مردم شماری ۱۹۶۱ء کے اعداد و شمار کی رو سے اس گاؤں میں ۴ء۱۴ فیصد باشندے یعنی کل ۳۱۸ افراد خواندہ تھے ۔ قیام پاکستان سے پہلے یہاں کے کسی فرد نے میٹرک پاس نہیں کیا ۔ اب تک (فروری ۱۹۶۷ء) اس گاؤں کے صرف آٹھ لڑکوں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا ہے ۔ گریجویٹ کوئی نہیں ۔ اس شہرت اور اتنی آبادی کے اس گاؤں میں آج تک کسی مدرسے کی عمارت تعمیر نہیں ہوئی ۔ ۱۹۱۴ء میں ایک کنال اٹھارہ مرلے زمین پر نظام حیدر آباد کے عطیے سے ایک سرائے تعمیر کی گئی اس کے پھاٹک پر لگے ہوئے کتبے کے الفاظ یہ ہیں ۔

این سرائے برضا از عطیہ شاہانہ حضور پر نور سپہ سالار

رستمِ دوراں ارسطوئے زماں مظفر الملک آصف جاہ
نواب میر عثمان علی خان بہادر فتح جنگ
باہتمام سائیں رحیم بخش گلیم پوش در ۱۹۱۴ء مطابق
۱۳۳۲ھ سرانجام یافت"

۱۹۱۹ء میں اس سرائے میں نور پور شاہاں کا پہلا پرائمری سکول کھولا گیا۔ ۱۹۲۹ء میں اسے لوئر مڈل (چھ جماعتوں کا مدرسہ) سکول بنا دیا گیا مگر طلباء کی کمی کی وجہ سے اسے پھر سے پرائمری (چار جماعتوں کا مدرسہ) سکول بنا دیا گیا جس میں اب (فروری ۱۹۶۷ء) ۲۴۲ طلباء زیرِ تعلیم ہیں۔ اسی مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر دیہی ڈاکخانے کو بھی چلا رہے ہیں۔ اسی عمارت میں یونین کونسل سید پور کا دفتر ہے۔ نصف نور پور شاہاں سید پور یونین کونسل میں ہے اور نصف مل پور یونین کونسل میں۔

۱۹۳۶ء میں نور پور شاہاں میں طالبات کیلئے پرائمری سکول کھولا گیا جسے ۱۹۵۲ء میں بند کرنا پڑا۔

یہاں کے باشندوں کو دینی تعلیم سے کوئی خاص رغبت نہیں رہی۔ یہاں ایک بھی حافظِ قرآن نہیں، ایک بھی فرد کسی دینی مدرسہ کا فارغ التحصیل نہیں۔ جو حضرات اب [illegible]

اپنے آباؤ اجداد سے سنا ہو کہ کبھی کوئی نور پوری مولوی یا حافظ ہوا ہو۔ معدودے چند ہیں جو قرآن ناظرہ پڑھ سکتے ہیں۔

آزادی کی برکات میں ایک یہ بھی ہے کہ قیام پاکستان کے تیرہ سال بعد اس موضع میں جامعہ اسلامیہ تدریس القرآن (رجسٹرڈ) کے نام سے ایک دینی درسگاہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس جامعہ کے ابتک سات کمرے تعمیر ہو چکے ہیں اور اس میں مقامی اور باہر کے طلباء مفت تعلیم پاتے ہیں۔ شیخ جامعہ مولانا محمد قاسم شاہ راجوروی نقشبندی ۱۹۴۷ء میں راجوری (کشمیر) سے ہجرت کر کے پنجاب میں آئے۔ بچالیہ ضلع گجرات، جامعہ رضویہ مظہرالاسلام لائل پور اور اشرف المدارس اوکاڑہ میں تعلیم پاکر ۱۹۵۹ء میں نور پور شاہاں میں اقامت اختیار کی۔ یہاں آتے ہی آپ نے حویلی محلے والی خستہ حال مسجد کو دس گنے رقبے میں از سر نو تعمیر کرایا اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ حضرت بری لطیفؒ پر ایک کتاب حیات بری امام لکھی جس کے اب تک دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں علاوہ ازیں آپ کے رسائل فیض لطیف (دو حصے) اور بری امام کا لاڈلہ بھی شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کے تعمیری کاموں سے ہمیں تو یہ سبق ملا کہ ملی خدمات کی راہ میں مالی وسائل کی معدومگی حائل نہیں ہو سکتی۔ آپ نے اہل نور پور شاہاں کیلئے

جو دینی خدمات انجام دی ہیں انھیں فقرائے بری امام کی اصلاحی مساعی کی غفلت کا کفارہ کہا جا سکتا ہے۔

مولانا محمد قاسم شاہ راجوروی خطیب نور پور شاہاں بھی ہیں گاؤں میں نو مسجدیں ہیں جن میں سے نماز جمعہ صرف دربار والی مسجد (مسجد متعلقہ مزار شاہ لطیف بری) میں ادا کی جاتی ہے۔ موجودہ صدی عیسوی کی ابتداء میں ایک بزرگ حاجی نظام الدین نے یہاں نمازِ جمعہ کا آغاز کیا۔ آپ نور پور شاہاں کے رہنے والے نہ تھے۔ آپ کے بعد آپ کے خلیفہ مولوی اللہ دتہ ساکنہ نڑولہ یہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔ نڑولہ ایک نزدیکی گاؤں مل پور راجگان کا داخلی موضع تھا اور اب اسلام آباد میں آگیا ہے۔ ازاں بعد مولوی شیر زمان صاحب خطیبِ جمعہ رہے اور پھر کئے بعد دیگرے کئی حضرات یہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔

سیاسی حالات

نور پور شاہاں ہمیشہ دور و نزدیک کے ہزاروں لاکھوں انسانوں کا مرکزِ عقیدت رہا ہے مگر کسی دور میں بھی اسے سیاسی حیثیت حاصل نہیں ہوئی۔ مسلم دور کی کسی کتاب تاریخ میں اس کا نام نہیں آیا۔ انتظامی حیثیت سے یہ گاؤں سید پور اور راولپنڈی کے تابع رہا۔

علاقہ پوٹھوہار کی حدود بدلتی رہی ہیں۔ ایک وقت تھا کہ مارگلہ کی پہاڑیوں سے ہھنیہ تک کے علاقے کو پوٹھوہار کہا جاتا تھا۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ اضلاع راولپنڈی اور جہلم کے بیشتر حصے کو پوٹھوہار کہتے ہیں تمام مسلم دورِ حکومت میں اس علاقے کا بڑا حصہ گکھڑوں[۱] کی جاگیر میں رہا ہے۔ بابر نے ایک گکھڑ سردار ہاتھی خاں کا ذکر کیا ہے[۲]۔ ملک ہاتھی خاں کے چچا تاتار خاں کے دو فرزند سلطان آدم اور سلطان سارنگ تھے[۳]

۱؎ گکھڑ، کھوکرا اور کھٹڑ پنجاب کے تین مشہور قبیلے ہیں۔ ابوالفضل کے سوائے مسلم تاریخ نویسوں نے گکھڑ اور کھوکھر کو خلط ملط کر دیا اور دونوں کا املا "کہکر" لکھا ہے۔

۲؎ بابر نامہ بمبئی ۱۳۰۸ھ ص ۱۴۶

۳؎ کیگوھر نامہ (ص ۳۱۵، ۳۱۶) میں رتن چند نے دوسرے ورتیسرے نسب ناموں میں سارنگ کو آدم کا لڑکا اور تاتار خاں کا پوتا لکھا ہے جو درست نہیں۔ اسی کتاب کے صفحہ ۶۳ پر آدم اور سارنگ کو بھائی بتایا۔ یہی درست ہے۔ اکبر نامہ (۱: ۳۲۴) اور فرشتہ (۱: ۲۵۲) میں آدم اور سارنگ کو بھائی لکھا ہے۔

شاہنشاہ اکبر نے سلطان سارنگ کے لڑکے سید خاں کو پرگنہ راولپنڈی جاگیر میں دے دیا۔ یہی سید خاں ہے جس کے نام پر راولپنڈی سے گیارہ میل کے فاصلہ پر موضع سید پور آباد ہوا۔ رائے زادہ دنی چند نے اس کی تفصیل لکھی ہے۔ کابل جاتے وقت ۹۸۸ھ (۸۱-۱۵۸۰ء) میں راجہ مان سنگھ راولپنڈی میں ٹھہرا۔ ایک روز یہ سلطان سید خاں کے ساتھ دامن کوہسار کی سیر کو گیا۔ وہاں ایک جگہ راجہ نے صاف شفاف پانی کے چشمے دیکھے تو سید خاں سے کہا کہ زمانہ ہمیشہ سازگار نہیں رہتا۔ تمہارا شاہراہ پر قیام قرین مصلحت نہیں۔ یہ مقام محفوظ ہے۔ ان دنوں ان چشموں کے قریب مغلوں کے چند گھر تھے۔ سلطان سید خاں نے ان مغلوں کو کہیں اور بھیج دیا اور وہاں ایک گاؤں بسایا اور اس کا نام سید پور رکھا۔ راجہ مان سنگھ نے یہاں چار حوض بنوائے اور ان کا نام رام کنڈ، سیتا کنڈ، لچھمن کنڈ اور ہنومان کنڈ رکھا۔ ہندوؤں نے وہاں بہت دان دیا اور اس مقام کو تیرتھ بنا لیا۔

سید خاں کی وفات کے بعد اکبر نے اس کے پسر کلاں نظر خان کو پرگنہ راولپنڈی تفویض کیا۔ نظر خاں کا جہانگیر کے عہد میں انتقال ہوا تو یہ پرگنہ اس کے لڑکے خضر خاں کو ملا۔ خضر خاں کے بعد شاہجہان نے اس کے فرزند غازی خاں کو اس منصب پر فائز کیا۔ عہد شاہجہان ...

عالمگیر میں غازیخان کی وفات پر اس کے لڑکے محمد سید خاں کو یہ پرگنہ جاگیر میں ملا۔ اورنگ زیب عالمگیر ۲ ربیع الثانی ۱۰۸۵ھ (۲۷ مئی ۱۶۷۴ء) سے ۱۵ شوال ۱۰۸۶ھ (۲۳ دسمبر ۱۶۷۵ء) تک اُنیس مہینے سندھ پار کے افغانوں کی شورش رفع کرنے کیلئے حسن ابدال میں مقیم رہا۔ حسن ابدال (ضلع کیمبل پور) سے جو مہمات بھیجی گئیں ان میں سے ایک کے ساتھ محمد سید خاں بھی گیا اور مارا گیا۔ اس وقت اس کا لڑکا حسن بیگ تھا۔ خورد سال تھا۔ شاہنشاہ نے پرگنہ راولپنڈی اسے جاگیر میں نہ دیا اور اس کا انتظام براہِ راست ملازمین سرکار کرنے لگے۔ اس طرح یہ پرگنہ سارنگال (اولاد سلطان سارنگ) کے ہاتھ سے نکل کر محال شاہی میں داخل ہُوا

حضرت شاہ لطیف برّیؒ اورنگ زیب عالمگیر اور محمد سید خان کے ہم عصر تھے۔ یہی زمانہ تھا جب سید پور سے تین میل کے فاصلے پر مشرق کی جانب ایک معمولی سی بستی کھاہوت میں شاہ لطیف برّیؒ نے اقامت

لہ گیگوجر نامہ ص ۱۷۴ - ۱۸۰

/

اختیار کی اور اس کا نام نور پور رکھا۔ مغل عہدِ حکومت کے آخر تک یہ موضع پرگنہ راولپنڈی کے چکلہ سید پور میں رہا۔ چکلہ سے مراد چک تشخیص ہے۔

احمد شاہ درانی نے متھرا پر حملہ کیا تو نوازش علی خان[1] خانپوریہ نے اس مہم میں بڑی شجاعت کا مظاہرہ کیا اور اس کے صلے میں پرگنہ راولپنڈی کا حاکم بنا دیا گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا محمّد علی خاں اس کا جانشین ہُوا۔

محمّد علی خاں کے زمانے میں ایک من چلے سکھ سردار ملکھا سنگھ تھہ پوریہ نے راولپنڈی پر قبضہ کرکے یہاں چھاؤنی بنائی۔ اور گرد و نواح کے علاقے پر لشکر کشی کی۔ محمّد علی خاں نے اس کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی ملکھا سنگھ نے علاقہ سید پور محمّد علی خاں کے پاس بطور جاگیر رہنے دیا۔ محمّد علی خاں نے خود تو خانپور (ضلع ہزارہ) میں رہتا تھا مگر اس کا لڑکا نجف خاں سید پور میں مقیم تھا۔

۱۸۰۴ء میں ملکھا سنگھ کے انتقال پر اس کا لڑکا جیون سنگھ اس کا جانشین بنا۔ ۱۸۱۴ء میں اس کا انتقال ہُوا تو رنجیت سنگھ نے پرگنہ راولپنڈی میں اپنا کاردار مقرر کیا۔ ۱۸۲۱ء میں سید پور کا ایک برہمن کسی گکھڑ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس واقعہ کو ہندوؤں اور سکھوں نے بہت اچھالا۔ ان دنوں دربار لاہور کا ایک ملازم [illegible]

---

[1] نوازش علی خان ولد [illegible]
نجف خان ولد [illegible]

میں تھا۔ اس نے سید پور پر حملہ کر دیا مگر گکھڑوں کے مقابلے میں مارا گیا۔ اس پر رنجیت سنگھ نے گکھڑوں کی یہ جاگیر ضبط کر لی اور نجف خاں خانپور چلا گیا۔

سکھوں کے ۷۶ برس کے دورِ تسلط کے بعد برطانوی دورِ حکمرانی شروع ہوا اور ۹۸ سال تک رہا۔ اس تمام عرصے میں اہلِ نور پور شاہاں سیاست سے کنارہ کش رہے۔

۱۹۴۷ء میں آفتاب آزادی طلوع ہوا تو اس سرزمین کی قسمت بھی جاگی ۱۹۶۰ء میں نور پور شاہاں اسلام آباد کا حصّہ قرار پایا۔ اب اس موضع کی تمام اراضی مرکزی حکومت کی ملکیت ہے۔ مستقبل قریب میں یہاں کا سیا معاشرہ ماضی میں گم ہو جائے گا اور یہاں رواں دواں زندگی نظر آئے گی۔

۔ گیگو مرنامہ ص ۱۸۳

باب ۲

شاہ لطیف بریؒ

نام لطیف، والد کا نام (شاہ) محمود۔ دادا کے نام میں اختلاف۔ شاہ محمود نے موضع کرسال ضلع جہلم کی سکونت ترک کی اور بیوی بچوں سمیت موضع باغ کلاں (اب اسلام آباد میں) میں آ بسے۔ شاہ لطیف یہاں گلہ بانی کرتے رہے۔ پھر بارہ سال تک جنگلوں میں رہ کر نور پور آباد کیا۔ ایک قادری مشرب بزرگ سے بیعت ہوئے ضلع ہزارہ میں جا کر شادی کی۔ ایک لڑکی ہوئی۔ لڑکی اور بیوی کے انتقال کے بعد، ندی نیلاں میں طویل چلہ کشی کی اور آپ پہ حالت جذب طاری ہو گئی۔ [illegible]

نُور پُور شاہاں میں گزاری تھیں ۶-۱۹۰۵ء میں انتقال ہُوا۔ صاحب کشف و کرامت مجذوب تھے۔

نام

برطانوی عہد حکومت کے تمام سرکاری ریکارڈ (مالگزاری کی مثلوں بندوبست اور مردم شماری کی رپورٹوں، مختلف گزیٹئر ضلع راولپنڈی اور گورنمنٹ پرنٹنگ پریس کی دیگر مطبوعات) میں آپ کا نام 'لطیف' لکھا ہے۔ سرکاری ریکارڈ میں پہلی مرتبہ ویسٹ پاکستان گورنمنٹ گزٹ نوٹی فیکیشن مجریہ ۱۸ جولائی ۱۹۶۰ء میں آپ کا نام شاہ عبداللطیف بھیؒ شائع ہُوا۔

شاہ لطیف کے صرف دو ہم عصروں نے آپ کا ذکر کیا ہے۔ سید حسن پشاوریؒ اور شاہ محمد غوث لاہوریؒ۔ دونوں نے آپکا نام لطیف لکھا ہے[۱]۔ سکھ دور تسلّط کی صرف ایک تحریر ہے جس میں آپکا نام آیا ہے۔ یہ تحریر منشی شہامت علی کی ہے۔ اس میں بھی 'لطیف' لکھا ہے مفتی غلام سرور اور بریؒ امام بریؒ کے اولیں سوانح نگار غلام حسین شاہ بخاری اور اولیں نسب نگار محمد شاہ مشہدی نے بھی لطیف لکھا ہے۔

---

[۱] مقدمہ ا د ۲

قیامِ پاکستان سے پہلے کی صرف تین تحریریں ہماری نظر سے گزری ہیں جن میں آپ کا نام "عبداللطیف" لکھا ہے۔ ان میں دو یعنی تذکرہ غوثیہ (۱۳۰۱ھ مطابق ۸۴ - ۱۸۸۳ء مصنفہ گل حسن شاہ اور دفترِ حقیقت (۱۳۰۴ھ) مصنفہ حافظ امداد حسین کا ماخذ ایک ہی ہے اور دونوں شاہ لطیف بریؒ کی وفات کے پونے دو سو سال بعد کی ہیں اور تیسری کتاب رسالہ کمالاتِ لطیفؒ ہے۔ یہ رسالہ غلام حسین شاہ بخاری کے فارسی رسالے کا ترجمہ ہے۔ اس ترجمے کے متن میں ہر جگہ نام صرف "لطیف" ہی لکھا ہے۔ صرف سرورق پر ایک جگہ مترجم نے اپنی طرف سے عبداللطیف لکھا ہے۔ یہ رسالہ موجودہ صدی عیسوی کے آغاز کا مترجمہ ہے۔

اب بھی فقرائے بریؒ امام آپ کا اسمِ گرامی صرف لطیف بتاتے ہیں آپ کے سلسلہ اجداد میں چند پشتوں کے نام اکہرے ہی تھے جیسے محمود احمد یا، حامد، بودلا، سکندر، عباس۔ اس لئے قرینِ قیاس یہی ہے کہ آپ کا نام بھی لطیف ہوگا۔

امام

ہمارے ماخذوں میں غلام حسین شاہ بخاری متوفی ۱۸۹۴ء کا رسالہ اولین ماخذ ہے جس میں آپ کے نام کے ساتھ [illegible] امام [illegible] اس سے پہلے صرف نو تحریروں میں آ[illegible]

استعمال نہیں ہُوا۔

بڑی

جو تحریریں اب تک محفوظ ہیں ان میں ۱۸۵۹ء کی تحریر قدیم ترین ہے جس میں آپ کے نام کے ساتھ "بررّی" لکھا ہے۔ اسی سن میں دستورالعمل خانقاہ شاہ لطیف' تحریر میں آیا جس میں آپکا لقب برّی لکھا ہے۔ ان دو تحریروں سے پہلے کسی نے آپ کا لقب برّی نہیں لکھا۔

۱۸۸۱ء میں محمد شاہ مشہدی نے نسب نامہ شریف میں لقب برّی کی یہ وجہ بتائی کہ آپ شب و روز ویرانوں میں عبادت کرتے رہے پہاڑوں پر، جنگلوں اور دریاؤں میں ایک مدت گزاری جہاں آپکی خوراک بنا سپتی تھی۔ برّی نام سے معروف ہونے کی یہی وجہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

دلا وصفِ یکن برّی لطیف آنرا جہاں گوید
ولی والی ولایت واقفی سرِ نہاں گوید

لطیف آنچناں بود مرد اولیاء   خداہش بہ پنجاب کرد اولیاء
بنوشیدی از غذا بے دخاص   مرد بود از رنج دنیا خلاص

بو یرانہ شب روز در بندگی بسر کرد در بندگی زندگی
چو گردید بر کوہ و ہامون و دشت
بعالم ازاں برّی مشہور گشت

اسمائے باری تعالٰے میں سے ایک بَر ہے بَرّی کا مطلب مہربان یا نیکوکار ہے۔ ممکن ہے جہلا نے بَرّی کا بَرّی بنا دیا ہو مگر اب آپ بَرّی لقب سے ہی معروف ہیں۔

حسب نسب

شاہ لطیف برّی کو ساداتِ مشہدی کی اس شاخ سے بتایا جاتا ہے جس کا مرکز موضع سیدکسراں ضلع راولپنڈی ہے ہمارے پیش نظر آپ کے آٹھ کرسی نامے ہیں جن میں تین جزوی ہیں۔ یہ سب کرسی نامے ایک دوسرے سے مختلف ہیں لہذا انکا تاریخی جائزہ مناسب رہے گا

نسب نامہ شریف

یہ ان ساداتِ مشہدی کا بنیادی نسب نامہ ہے جن کا تعلق موضع سیدکسراں سے ہے۔ اسے ۱۸۸۱ء میں حضرت شاہ مشہدی متخلص بہ محمد ساکن موضع سیدکسراں نے نظم کیا۔ یہ شاہ لطیف برّی کے کرسی نامہ سے متعلق ہیں ہم نے زیر مطالعہ کتاب [illegible]
کر دئیے ہیں۔ [illegible]

تک بتیس نام اور حضرت موسیٰ کاظمؑ تک ستائیس نام ہیں۔ ان ناموں اور تاریخوں کے اور ناموں کے ساتھ تعظیمی الفاظ نہ ہونے کے مسئول خود محمد شاہ مشہدی ہیں۔

۱۔ تربی لطیف (م ۱۱۱۷ھ)

۲۔ محمود

۳۔ سید حامد

۴۔ بودلہ شاہ

۵۔ اسکندر

۶۔ عباس

۷۔ عبدالغنی

۸۔ سید حسین

۹۔ سید آدم

۱۰۔ علی شیر (پیدائش جمعہ ۸۷۰ھ) نام علی بہادری کیوجہ سے علی شیر کہلائے۔

۱۱۔ عبدالکریم

۱۲۔ وجیہہ الدین

۱۴۔ محمد ثانی الغازی (جمعرات ذی الحجہ ۶۱۵ھ۔ ۶۸۰ھ)

۱۵۔ رضا دین (پیدائش جمعہ ذی قعد ۵۹۱ھ)

۱۶۔ صدرالدین (۵۳۰ھ ۵۹۴ھ)

۱۷۔ محمد احمد سابق (۲۷ رمضان ۴۸۶ھ ۔ ۵۵۰ھ)

۱۸۔ ابوقاسم حسینی المشہدی (پیدائش جمعہ ۱۷ صفر ۴۱۱ھ)

۱۹۔ علی الامیر پیر بر برائی (۴۱۲ھ ۔ ۴۵۰ھ)

۲۰۔ سلطان عبدالرحمٰن رئیس الزماں (جمعرات ۱۰ رجب ۳۸۰ھ ۴۴۰ھ)

۲۱۔ اسحاق ثانی (جمعہ ۱۷ ذالحج ۳۹۵ھ جمعہ ۲۰ صفر ۴۴۹ھ)

۲۲۔ موسیٰ اوّل حسن زاہد (جمعرات ۱۵ شعبان ۲۸۵ھ۔ ۱۱ جمادی الثانی ۳۹۷ھ)

۲۳۔ محمّد عالم (پیر یکم رجب ۲۴۰ھ ۔ ۳۰۵ھ)

۲۴۔ قاسم عبداللہ (۱۷۲ھ ۔ ۲۴۸ھ)

۲۵۔ محمد اوّل (منگل ۱۷ شعبان ۱۰۱ھ ۔ ۲۰۸ھ)

۲۶۔ اسحاق (جمعہ ۱۱ ذی الحج ۱۵۰ھ ۔ جمعرات ۱۹۴ھ)

۲۷۔ امام موسیٰ کاظم

اس کرسی نامے کی رو سے [illegible]

کی پیدائش سے پہلے تولد ہوئے اور نمبر ۴ ۲ اپنے والد کی وفات کے نو سال بعد پیدا ہوئے۔ نمبر ۱۲ کی پیدائش کے وقت ان کے والد کی عمر ایک سو دس سال تھی۔ اس نسب نامے میں پیدائش یا وفات کی تاریخ کے جو دن دئے گئے ہیں وہ بھی درست نہیں۔ جب ایک نسب نگار ایسی باتوں میں غلط بیانی کر سکتا ہے تو ناموں کے ساتھ اس سے کیا کچھ توقع نہیں ہوسکتی۔ بالخصوص ایسے حالات میں کہ ان کے بیان کی جانچ پڑتال کے لئے اور کوئی ذریعہ نہ ہو۔

غلام حسین شاہ بخاری

شاہ لطیف کے اولین سوانح نگار غلام حسین شاہ بخاری متوفی ۱۸۹۴ء نسب نامہ شریف کے مصنف محمد شاہ مشہدی کے ہم عصر تھے یہ فقرائے بڑی امام میں سے تھے۔ انہوں نے شاہ لطیف بڑی اور ان کی اوپر کی تین پشتوں کے نام حسب ذیل لکھے ہیں:

۱۔ شاہ لطیف بری امام

۲۔ شاہ سید محمود

۳۔ شاہ احمد

۴۔ شاہ بودلا سکندر

یعنی انہوں نے نسب نامہ شریف سے شاہ لطیف کے دادا اور پڑدادا کے ناموں میں اختلاف کیا ہے۔

مرقعِ ملتان

سید اولاد علی گیلانی نے اپنی گرانقدر تصنیف مرقعِ ملتان (۱۹۳۸ء) میں ضلع ملتان کے ایک مشہدی خانوادے کا شجرہ درج کیا ہے، اس شجرے میں بری امام کا نام نہیں، کیونکہ یہ نسب نامہ شریف کے نمبر ۱۰ علی شیر سے پھوٹنے والی کسی دوسری شاخ کا شجرہ ہے۔ اس میں علی شیر سے اوپر کی نسلوں میں صرف ایک اختلاف ہے نسب نامہ شریف کے عالم (۲۳) اس میں نہیں ہے

صابر حسین شاہ

غلام حسین شاہ بخاری کے پڑپوتے صابر حسین شاہ متوطن ساگری ضلع راولپنڈی نے اپنے رجسٹر سے ہمیں شاہ لطیف بری کا کرسی نامہ نقل کر کے دیا ہے۔ اس کرسی نامے اور نسب نامہ شریف میں صرف دو ناموں میں اختلاف ہے۔ نسب نامہ شریف نمبر ۱۹ علی الامیر الاکبر نمبر ۲۲ محمد علی

ے مرقعِ ملتان: فیروز [illegible]

اوّل حسن زاہد کے بجائے ان کے ہاں محمد شبیر اور موسےٰ اوّل حسن زید ہیں۔

پیر محمود شاہ

پیر محمود شاہ ہزاروی نے شاہ لطیف برّی کو سید حسن کے چھٹے واسطے سے بتایا ہے اور سید حسن سے حضرت آدم تک نام لکھے ہیں۔ ان کے ہاں ترتیب اسماء حسب ذیل ہے۔ ناموں کے ساتھ عبارت بھی پیر صاحب کی ہے۔ انہوں نے حضرت حسینؓ سے نمبر ۷ حسین تک ناموں کے ساتھ سیّد لفظ لکھا ہے۔

۱۔ سلطان الاولیا بری لطیف
۷۔ چھٹے واسطے سے حسین
۸۔ آدم
۹۔ علی شیر۔ ان کو سید ابراہیم بھی کہا جاتا ہے۔
۱۰۔ عبدالکریم
۱۱۔ وجیہ الدین
۱۲۔ ولی الدین کہ فتح محمد بھی انکو کہتے ہیں۔
۱۳۔ محمد الغازی ثانی
[illegible]

۱۵۔ صدرالدین۔ جن کو سید عبدالوہاب بھی کہتے ہیں

۱۶۔ محمد احمد سابق

۱۷۔ امام ابوالقاسم سیّد حسین سلطان المشہدی روڑی بھکر میں مدفن شریف ہے۔ بعض شجروں میں مولد بغداد مدفن مشہد لکھا ہے۔

۱۸۔ علی امیر یحییٰ ہاپلدی رضی اللہ عنہ نزد بعض سید عبداللہ مشہدی زندہ جیات المیر یہ ہیں۔

۱۹۔ عبدالرحمن لقب رئیس الزماں عرف بُلبل شاہ بعض محققِ علم الانساب نے لکھا کہ ان کی مزار شریف کشمیر و سمرقند ہر دو جا مشہور ہے اور یہ امر بعض بزرگان اہلِ بیت اطہار کے متعلق دو یا متعدد جگہ قطعاً مشاہدہ میں آیا گا ہے خرق عادت اور گا ہے کرامت کے طور پر اور اکثر مسلم نا دشمنانِ اسلام کی ستم شعاری و بربریت کے پیشِ نظر دفع فساد و بغرض سلامت ہُوا جیسا کہ صدرِ اوّل سے اب تک کی تاریخ شاہد ہے۔

۲۰۔ اسحاق ثانی

۲۱۔ ابوالحسن موسیٰ زاہد۔ مولد و مدفن رے بقولے بلخ

۲۲۔ عباس

۲۳ مصطفیٰ

۲۴۔ محمد عالم قطب

۲۵۔ عبداللہ ۔ عبداللہ قاسم و ابوالقاسم بھی بعض نے لکھا ہے۔

۲۶۔ محمد اوّل ۔ لقب عند البعض سیّد محمد عالم بھی منقول ہے۔

۲۷۔ اسحاق الموفق

۲۸۔ امام موسیٰ کاظم

نسب نامہ شریف اور مندرجہ بالا کرسی نامے میں بنیادی فرق ہے۔ ان کے ہاں نمبر ۹ کی بجائے آدم نمبر ۷ پر ہیں۔ نمبر ۱۲۔ وجیہ الدّین کو انھوں نمبر ۱۱ وجیہ الدین لکھا ہے۔ نمبر ۱۳ محمد ولی کو انھوں نے نمبر ۱۲ ولی الدین اور فتح الدین لکھا ہے۔ نمبر ۱۸ ابوقاسم حسینی کو انھوں نے نمبر ۱۷ ابوالقاسم سید حسین لکھا ہے۔ نمبر ۲۲ موسیٰ اوّل حسن زاہد بن محمد عالم کو انہوں نے ابوالحسن موسیٰ زاہد بن عباس بن مصطفیٰ بن محمّد عالم لکھا یعنی دو پشتوں کا اضافہ کر دیا۔ انہوں نے شجرہ سازوں کیلئے ایک آسانی بھی پیدا کر دی ہے۔ اکثر مسلم خاندانوں کی یہ صورت ہے کہ انھیں اپنے سلسلۂ اجداد کے چند نام یاد ہیں۔ اوپر کے نام محفوظ نہ رہ سکے۔ اب وہ کسی بھی معروف حسینی خاندان کے کرسی نامے میں سے کوئی مناسب نام منتخب کر کے اپنے جدِّ اعلیٰ کا نام اس کے ساتھ لکھ دیں اور کہدیں کہ یہ ان کا دوسرا نام تھا اور اگر ان دو

مختلف ناموں کے حاملوں کی قبریں بھی جدا جدا مقامات پر موجود ہوں تو بے تکلف کہدیں کہ یہ "اہلِ بیت" کا معمول ہے۔ ایسی مثالیں آپکو پیر محمود شاہ کے ہاں نمبر ۹، ۱۲، ۱۴، ۱۵، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۱، ۲۵، اور ۲۶ پر مل جائیں گی۔

رفیق جاوید

روزنامہ شہباز پشاور کے سابق چیف ایڈیٹر رفیق جاوید نے اپنی کتاب "حضرت امامؑ بری" (۱۹۵۵ء) میں حضرت شاہ لطیف بریؒ سے حضرت علیؓ تک تیئیس نام لکھے ہیں۔ انھوں نے حضرت زین العابدینؒ کے فرزند حضرت باقرؒ کا نام نہیں لکھا اور ناموں کی تعداد اس طرح پوری کی کہ نسب نامہ شریف کے نمبر ۵ اسکندر بن عباس کو اسکندر بن سید سید ابن عباس لکھا۔ ان کے ہاں شاہ لطیف کے دادا کا نام حامد کی بجائے احمد ہے نیز انھوں نے نسب نامہ شریف کے نمبر ۱۲ وجیہہ الدین، نمبر ۱۷ محمد احمد سابق، نمبر ۱۹ علی الامیر نمبر ۲۲ موسیٰ حسن زاہد کی بجائے اپنے نمبر ۱۳، ۱۸، ۲۰، اور ۲۲ پر علی الترتیب اوجا الدین، احمد محمد سابق، محمد بشیر اور موسیٰ حسن عبدالدید نام لکھے ملتے ہیں۔

---

۱۰ - ۹ - ص ۰

مولانا محمدؐ قاسم راجوروی

مولانا محمدؐ قاسم راجوروی نے اپنی تصنیف حیات بری امام میں شاہ لطیف بریؒ کا کرسی نامہ دیا ہے ۔ان کا ماخذ نسب نامہ شریف ہے۔ صرف چار ناموں کے اجزاء یا املا میں اختلاف ہے ۔چنانچہ نسب نامہ شریف کے نمبر۱۲ وجیہہ الدین نمبر۱۳ محمد ولی نمبر۱۸ ابو قاسم حسینی المشہدی، نمبر۱۹ علی الامیر پیر بربریاں اور نمبر۲۱ موسیٰ حسن زاہد کی بجائے ان کے ہاں وجیہ الدینؒ، محمدؐ ولی الدینؒ، سلطان ابوالقاسم حسین المشہدی علی امیر بن بر کے پیر اور موسیٰ زاہد حسین ہیں ۔اسی تالیف کے دوسرے ایڈیشن میں انہوں نے نسب نامہ شریف کے نمبر۵ اسکندر بن عباس کے بجائے سکندر بن سیّد ابن عباس لکھا ہے حالانکہ نسب نامہ شریف میں ہے ۔ ع

زعباس اسکندر آمد ظہور

یار محمدؐ بھوئی

یار محمد بھوئی نے اپنی تالیف " بری امام کی سوانح عمری"

ص ۹ ، ۱۰

(۱۹۶۰ء) میں شاہ لطیف بری کا کرسی نامہ بھی دیا ہے۔ انھوں نے حضرت علیؑ تک بتیس ناموں کی بجائے صرف تئیس نام دئے ہیں۔ اور حضرت باقرؒ کا نام بھی نہیں دیا۔ ان کی ترتیب یہ ہے۔

حضرت سید عبداللطیف[1] امام بری بن حضرت شاہ محمود[2] بن شاہ احمد[3] بن شاہ بودلہ[4] بن شاہ سکندر[5] بن شاہ سید[6] ابن علی شیر[7] بن سید عبدالکریم[8] بن اوجا الدین[9] بن محمد ولی[10] بن محمد ثانی[11] غازی بن احمد محمد[12] سائق بن سید سلطان ابوقاسم[15] حبشی مشہدی بن سید محمد بشیر[16] بن عبدالرحمن[17] رئیس الزمان بن سید اسحاق[18] بن موسیٰ[19] کاظم بن امام جعفر[20] بن امام زین العابدین[21] بن امام حسین[22] بن امیرالمومنین[23] کرم اللہ وجہہ)

جائزہ

مذکورۃ الصدر کرسی نامے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

ان میں حضرت علیؑ تک تیئیس سے بتیس تک نام ہیں۔

(۱) تین نے شاہ لطیف بری کے دادا کا نام حامد لکھا ہے اور تین نے احمد۔

(ب) ایک نے پڑدادا کا نام شاہ بودلا سکندر لکھا ہے اور ایک نے عبداللہ بھی بتایا ہے۔

[illegible] ص ۳

(۴) سکندر کی ولدیت میں بھی اختلاف ہے، تین نے سکندر بن سید ابنِ عباس لکھا ہے اور تین نے سکندر بن عباس۔

(۵) ابوالقاسم حسین یا ابوالقاسم حسینی کے والد کا نام تین نے محمد بشیر اور تین نے علی الامیر یا علی امیر لکھا ہے اور ایک نے عبداللہ بھی بتایا ہے۔

(۶) دو نے حضرت باقرؒ کا نام نہیں لکھا۔

(۷) ایک نے موسیٰ زاہد بن مصطفٰے بن محمد عالم لکھا۔ ایک نے ان میں سے کوئی نام بھی نہیں لکھا چار نے موسیٰ اوّل حسن زاہد یا موسیٰ اوّل حسن زید یا موسیٰ حسن عبدالدید یا موسیٰ زاہد حسین بن محمد عالم لکھا ہے اور ایک نے ان کے والد کا نام محمد عالم کی بجائے عبداللہ بھی لکھا۔

ان کے علاوہ ان کرسی ناموں میں اور بھی اختلافات ہیں کرسی نامہ کوئی فقہی مسئلہ نہیں کہ اختلاف کو روا داری کہہ کر قبول کر لیا جائے ظاہر ہے کہ یہ تمام کرسی نامے وضعی ہیں

والدین

شاہ محمود کا آبائی وطن موضع کرسال تحصیل چکوال ضلع جہلم

تھا۔ آپ کی اہلیہ بی بی غلام فاطمہ بھتیں جو کے بطن سے تین فرزند اور ایک دختر تھی۔ سب سے بڑے فرزند شاہ لطیف تھے۔ دوسرے درویش محمد اور تیسرے چھوٹہ شاہ ایک گھریلو تنازع کی وجہ سے مسلح لڑائی ہوئی اور اور شاہ محمود نقل مکانی کر کے موضع باغ کلاں میں رہائش پذیر ہوئے تناسی سال کی عمر میں ۹۸۲/۱۰۸۲ھ (۷۲-۱۶۷۱ء) میں موضع باغ کلاں میں انتقال ہوا تاریخ پیدائش ۲ صفر ۹۹۵ھ (۱۸ جنوری ۱۵۸۷ء) تھی۔

ف۵ شاہ لطیف کے اولین سوانح نگار غلام حسین شاہ بخاری متوفی ۱۸۹۴ء نے یہ نہیں لکھا (ضمیمہ ۶)۔ ان کے الفاظ "موضع کرسال ؛ درقصبہ سید کسراں" کا ان کے مترجم نے یوں ترجمہ کیا ہے "بڑی امام کے گھر قصبہ سید کسراں کے ایک داخلی موضع کرسال میں تھے" (کمالاتِ لطیف ص ۱)۔ قصبہ سید کسراں تحصیل گوجر خاں میں ہے گوجر خاں کے حلقہ گرداوری میں بھی ایک موضع کا نام کرسال ہے۔ ۱۹۰۷ء کے راولپنڈی ڈسٹرکٹ گزیٹئر میں بھی شاہ لطیف بری کا آبائی وطن تحصیل گوجر خاں بتایا ہے۔ ان ماخذوں کے باوجود اب ہر ایک یہی بتاتا ہے کہ آپ کا آبائی وطن موضع کرسال تحصیل چکوال ضلع جہلم تھا اور متذکرہ ماخذوں کے اس بیان کو کوئی بھی صحیح تسلیم نہیں کرتا۔

ف۶ شاہ غلام حسین بخاری کے اردو مترجم نے چھوٹہ شاہ کی بجائے صوبہ شاہ لکھ دیا ہے۔ اور بعد کے لکھنے والوں نے اس کی تقلید کی ہے۔

(کمالات لطیف ص ۱)

اسلام آباد میں جہاں اب آب پارہ مارکیٹ ہے اس کے نزدیک موضع باغ کلاں معروف بہ باغاں تھا۔ اس کے نزدیک ہی موضع باغ بھٹ معروف بہ باغ بھٹاں بھی تھا۔ ۱۹۶۱ء میں موضع باغ کلاں میں ایک سو تیئیس مکان تھے جن میں ۶۶۳ افراد رہتے تھے۔ آب پارہ مارکیٹ کے سامنے سروس روڈ اور شاہراہ کشمیر کے درمیان ایک مسجد ہے اس کے قریب ایک معمولی سی پختہ چار دیواری میں چار پختہ قبریں ہیں ان میں شمالی قبر شاہ محمود کی ہے۔ باقی تین آپ کی اہلیہ، دختر اور ایک فرزند کی بتائی جاتی ہیں۔

۲۴ جنوری ۱۹۶۷ء کو راقم الحروف شاہ محمود کے مزار پر گیا۔ وہاں سائیں محمد بنارس اور سائیں گوہر علی نے اپنے آپ کو اس مزار کے متولیاں میں سے بتایا اور اپنا کرسی نامہ یہ لکھوایا: سائیں محمد بنارس بن سائیں گوہر علی بن سائیں کفائت علی بن سائیں غلام حسین بن سائیں پیر بخش بن شاہ شرف قوم مغل۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ شاہ شرف

ے والدین کے بارے میں یہ تمام معلومات غلام حسین شاہ بخاری کے رسالے پر مبنی ہیں۔ (ملاحظہ ہو ضمیمہ ۲) شاہ لطیف کے بارے میں یہی رسالہ ہمارا بنیادی ماخذ ہے۔ مگر مشکل یہ ہے اس مصنف کی رو سے شاہ محمود ۹۹۵ میں پیدا ہوئے اور بناسی سال کی عمر میں ۹۰۲ھ میں فوت ہوئے۔

اٹک سے آکر شاہ محمود کے مزار کے مجاور بنے ان کے بعد یہ خدمت ان کی اولاد میں متوارث چلی۔ شاہ شرف کے دو فرزند تھے۔ سائیں بخت اور سائیں پیر بخش، مزار پر ایک مہینہ سائیں بخت کی اولاد میں سے سائیں، غلام محمد بیٹھتے ہیں اور دوسرے مہینے کی آمدنی کی حقدار سائیں پیر بخش کی اولاد ہے۔ مزار پر جمعرات کے روز زیادہ آمدنی ہوتی ہے ہم چٹائی پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ بھنڈارہ (کھانا) آگیا جو انھوں نے خود پکایا تھا مرغی کے گوشت میں بھنڈیاں ڈالی ہوئی تھیں

اسلام آباد کے ابتدائی نقشے میں شاہراہ کشمیر شاہ محمود کے مزار پر سے گزرتی تھی۔ متولیاں نے اس پر احتجاج کیا۔ اسلام آباد میں کام کرنیوالے عقیدت مند پٹھانوں نے اس احتجاج کی پُرزور تائید کی۔ عقیدتمندوں کے جذبات کا پاس کرتے ہوئے حکومت نے شاہراہ کشمیر کو قدرے خم دیکر شاہ محمود کے مزار کے پاس سے گزار دیا اور مزار منہدم نہ کیا۔ اس امر واقعہ کے اب تک کئی افسانے گھڑے جا چکے ہیں جن میں سے ایک سائیں گوہر نے سُنایا کہ جب بل ڈوزر سے مزار کو مسمار کرنے آئے تو وہ ٹوٹ گیا۔ شاہ محمود کی اس "کرامت" کو دیکھ کر حکومت کو اپنا فیصلہ بدلنا پڑا۔

ابتدائی زندگی اور ترکِ دنیا

شاہ لطیف بری موضع کرسال ضلع جہلم میں ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) میں جہانگیر کے عہدِ حکومت میں تولد ہوئے۔[1] آپ کے پدر بزرگوار شاہ محمود نے ترکِ وطن کرکے موضع باغ کلاں میں اقامت اختیار کی تو شاہ لطیف بھی ساتھ تھے۔ یہاں آپ کے ذمے مویشی چرانے کی خدمت ہوئی ایک مرتبہ شاہ محمود عزیز و اقارب سے ملنے کیلئے موضع کرسال گئے واپس لوٹے تو معلوم ہوا کہ شاہ لطیف سے کچھ کرامات کا ظہور ہوا ہے۔ اس پر آپ ناراض ہوئے اور فرزند کو پیٹا کہ سرِ مخفی کا اظہار درست نہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ محمود ایک مستعد بزرگ تھے۔ وہ بیٹے کی فرد گزاشتوں پر سختی سے گرفت کیا کرتے تھے۔ ایک روز شاہ لطیف حسب معمول مویشی چرانے گئے۔ یہ مویشی ایک کسان کا کھیت چر

---

[1] غلام حسین شاہ بخاری (ضمیمہ ۶) نے لکھا ہے کہ شاہ محمود ۹۹۵ھ میں تولد ہوئے اور ستاسی سال کی عمر ۹۰۳ھ میں فوت ہوئے۔ ان کے فرزند کلاں ۹۱ سال کی عمر میں ۹۲۱ء میں فوت ہوئے۔ آخری دو سنین تو صریحاً غلط ہیں، شاہ محمود کا سنِ پیدائش قرائن سے درست معلوم ہوتا ہے۔ یہ بھی درست معلوم ہوتا ہے کہ امام بری کا ۹۱ برس کی [illegible] کیونکہ آپ کی وفات ۱۱۱۷ھ میں ہوئی اسلئے سنِ پیدائش ۱۰۲۶ھ ہوا

گئے۔ کسان نے شاہ محمود کی خدمت میں جاکر شکایت کی۔ آپ فوراً جائے وقوعہ پر گئے۔ دیکھا کہ شاہ لطیف ایک درخت کے سائے میں محوِ خواب ہیں۔ بیٹے کو اسی حالت میں مارنے لگے۔ شاہ لطیف کی آنکھ کھل گئی اور کہا مجھے کیوں جگادیا میں تو جنت جیسے باغات کی سیر کر رہا تھا۔

اس واقعے کے بعد شاہ لطیف نے گھر میں رہنا مناسب نہ سمجھا جدائی کے بارہ کٹھن سال بعد شاہ محمود کو علم ہوا کہ ان کا جگر گوشہ صرف تین میل کے فاصلے پر جنگل میں ہے۔ آپ فوراً وہاں تشریف لے گئے۔ فرزند کی طویل جدائی کے صدمات سے ضعف و نقاہت غالب تھی۔ دیکھتے ہی بے ہوش ہوگئے۔ کچھ دیر بعد ہوش آیا تو گلوں شکووں کا دفتر کھولا۔ گھر لے جانے پر اصرار کیا۔ شاہ لطیف بڑیؒ نے پھر کبھی آنے کا وعدہ کرکے پدر بزرگوار کو رخصت کیا۔

ایک ہفتے بعد شاہ لطیف بڑیؒ اپنی والدہ کی قدم بوسی کیلئے موضع باغ خاص گئے اور تسلیم و تعظیم کے بعد نور پور شاہاں واپس تشریف لے گئے۔

بیعت

نور پور واپس آکر آپ ایک غار میں چلہ کش [illegible]

سلوک کی منازل [illegible]

"اے لطیف بری چلے سے باہر آ۔ آج مبارک دن ہے"۔ یہ آواز ایک بزرگ کی تھی۔ جنہیں غلام حسین شاہ بخاری نے سخی حیات المیر[1] زندہ پیر لکھا ہے۔ شاہ لطیف غار سے باہر تشریف لائے۔ چند روز بعد ان بزرگ نے شاہ بری کو بیعت سے مشرف فرمایا۔

ہزارہ میں

شاہ بری کو بیعت کرنے کے بعد آپ کے مرشد نور پور شاہاں میں چلہ کش ہوئے۔ یہ چلہ گاہ اب تک محفوظ بنائی جاتی ہے۔ چلہ پورا کر کے آپ نے بری امام کو کوہستان ہزارہ میں جا کر چلہ کشی کی ہدایت فرمائی۔ نور پور شاہاں سے چل کر بقول غلام حسین شاہ بخاری آپ موضع میرا[2] گگھڑ والا، نیلاں بوتھو[3]،

---

[1] ملاحظہ ہو باب ۸

[2] ضلع ہزارہ میں میراں گگھڑ والا یا گگھڑ نام کا کوئی اب موضع نہیں البتہ پنڈ گگھر (تحصیل ہری پور) ضرور ہے جس کی ۱۹۶۱ء میں ۸۸ آبادی تھی۔

[3] ضلع ہزارہ کی تحصیل ہری پور میں دریائے سندھ کے معاون دریائے ہرو میں ایک ندی نیلاں گرتی ہے اس ندی کے کنارے موضع نیلاں بوتھو ہے۔ سرکاری ریکارڈ میں یہی نام ہے۔ لوگ اسے نِلاں بھوتو بھی کہتے ہیں۔ ۱۹۶۱ء میں یہاں ۷۶۵ افراد بستے تھے جن میں سے صرف ایک خواندہ تھا۔

سریں[1] نتھڑ کوٹ[2]، گگھڑ اور دوبارہ نیلاں بوتھو میں مکے بعد دیگرے کچھ کچھ عرصے کیلئے رہے۔ وہاں چلّے بھی کاٹے۔

ازواج و اولاد

ضلع ہزارہ کے طویل قیام کے دوران آپ نے موضع گگھڑ میں بی بی دامن بی بنتِ نور محمد[3] سے شادی کی جنکے بطن سے ایک دختر بھی تولد ہوئی جن کا نام بی بی مقبول خاتون یا بی بی رسول خاتون[4] تھا اس بچی کا تقریباً سات سال کی عمر میں انتقال ہو گیا اور ایک سال بعد آپ کی زوجہ رحلت کر گئیں اس کے علاوہ آپ نے اور شادی

---

[1] سریں تو نہیں البتہ سیری نام کی اس ضلع میں کئی بستیاں ہیں۔ انعام، نذر یا جاگیر میں دی ہوئی اراضی کو اس علاقے میں سیری کہتے ہیں۔ ایک قصبہ سیری کوٹ ہری پور سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر ہے [2] ضلع ہزارہ کے دیہات کی فہرست میں نتھڑ کوٹ گاؤں کوئی نہیں۔ ہری پور تحصیل میں برکوٹ اور کھکوٹ نام کے دو گاؤں ہیں [3] ان نور محمد کو تین صدی بعد ۱۹۰۰ء میں [illegible] مرقعہ صاحب حضرت امام بری نے [illegible]

نہ کی اور آپ کا سلسلہ اولاد نہیں چلا۔

حالت جذب

زوجہ اور دُختر کے انتقال کا شاہ لطیف بری کو بڑا صدمہ ہوا۔[۳۰] کے بعد آپ قطعی تارکِ دُنیا ہو گئے اور ہر وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہنے لگے۔ آپ موضع گگھڑ کو خیر باد کہہ کر موضع نیلاں بھوتو تشریف لے گئے۔ غلام حسین شاہ بخاری کے رسالے کے اُردو مترجم نے مصنف کی اس طرح ترجمانی کی ہے۔

---

[۳۰] غلام حسین شاہ بخاری نے لکھا" اولاد ایشاں یک دختر بنام مقبول خاتون اسم زوجہ شاہ بادشاہ بنام بی بی دامن بی بنت نور محمد" لیکن موضع گگھڑ میں آباد ہونے کی یہ تفصیل دی ہے" بعد از کیساں در موضع کہکڑ رفتہ بودند۔ از مریداں درخدمت ایشاں تمام حاضر شدند تا یک خانہ برائے خدمت ایشاں بناء مرمت کردند در بجای حضرت بی بی دامن خاتون و بی بی رسول خاتون آباد شدند۔ بعد از ان بی بی رسول خاتون تخمیناً بعد از ہفت سال رحلت فرمودند۔ انا للہ وانا الیہ راجعون بمقام تربت ایشیاں در موضع مذکور کہکر کردہ اند۔ بعد از ہشت سال حضرت بی بی دامن از دار فانی رحلت فرمودہ وبجہان جاودانی رخت اقامت آختند"۔

"بارہ سال تک دریائے نیلاں میں جاکر مشغول توجہ ہونے کا معمول رکھا مگر آخر کار جلالت وکمالات نے غلبہ پایا اور صبر وشکیبائی جوش اور وجدان کے مقابلہ سے عاجز ہوگئے۔ آپ کی حالت ان دنوں مستانوں کی سی ہوگئی تھی حضرت سخی جہانِ المیر زندہ پیر نے عالم کشف میں حشن ابدال سے معلوم کیا کہ شاہ لطیف سیّد مدہوش ہیں۔ تقاضائے محبّت قلبی نے پیر صاحب کو وہاں سے اٹھایا۔ آپ فوراً موضع نیلا میں تشریف لائے اور امام برّی بادشاہ کو دریا پر سے بلایا اور دودھ اور چاول باہم اکٹھے بیٹھ کر تناول فرمائے۔ اسی وقت صبر اور تحمل حضرت برّی لطیف بادشاہ کو حاصل ہوگیا اور اس کے بعد حضرت امام برّی نور پور شاہاں میں تشریف فرما ہوگئے۔"

ے کمالات لطیف ص ۹، ۱۰ اگر غلام حسین شاہ بخاری نے لکھا کہ آپ بارہ سال دریا میں زیرِ آب رہے۔ آپ کا ظاہری جسم نہ رہا اور محیطِ ذات میں جا ملے۔ بارہ سال بعد آپ کا ایک مرید صادق آپ کو گھر لایا۔ صاحب نسب نامہ شریف نے اس مرید کا نام سیہونو لکھا ہے اور لکھا ہے کہ آپ کا ساط گوشت مچھلیاں کھا گیئیں

ندی نیلاں میں چلّے کے بعد آپ اکثر حالتِ جذب میں رہنے لگے۔ اس حالت میں آپ کو ابوالبرکات حضرت سیّد حسن پشاوریؒ نے ۷۷۰اھ (۶۷-۱۶۶۶ء) میں دیکھا۔ حضرت غلام شاہ قادریؒ متوفی ۱۱۹۴ھ (۱۷۸۰ء) نے اپنے پڑدادا حضرت سیّد حسنؒ کے الفاظ میں لکھا ہے۔

"جب علاقہ پوٹھوہار میں پہنچا شاہ لطیف مجذوب کو دیکھا کہ بہت صاحبِ نظر اثر ہیں۔ مجھ سے بہت اچھی طرح ملے۔ وہاں دو روز گزار کر رخصت ہوا"۔[۱]

اس کے انتالیس سال بعد حضرت سیّد حسن پشاوریؒ کے جلیل القدر فرزند حضرت شاہ محمّد غوث لاہوریؒ (۱۰۸۴ھ - ۱۱۵۲ھ) نے آپ سے ۱۱۱۶ھ (۵-۱۷۰۴ء) میں ملاقات کی تھی لکھتے ہیں

"پھر پنڈی میں شاہ لطیف مجذوب کے پاس گیا۔ یہ صاحب کشف وجذب ہیں۔ انھیں دیکھا اور ان کے کشف وجذب کے آثار کا معائنہ کیا۔ فقیر کے مطلب کی یہاں کوئی چیز نہ ملی"۔[۲]

---

[۱] ضمیمہ ۱

[۲] ضمیمہ ۲

معمولاتِ زندگی

شاہ لطیف برّیؒ مادر زاد مجذوب نہ تھے۔ آپ نے لڑکپن میں گلہ بانی کی۔ عنفوانِ شباب میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے آبادیوں سے دور جنگلوں اور بیابانوں میں ریاضت کی بھٹیوں میں نفس کشی کی جوانی میں ایک قادری مشرب بزرگ سے بعیت ہوئے اور بعیت کرنے کی اجازت بھی پائی۔ کئی سال ضلع ہزارہ میں رہے۔ وہاں متعدد افراد آپ کے مرید ہوئے۔ وہیں کم از کم آٹھ سال ازدواجی زندگی کے گزارے۔ آپکی عمر کا تقریباً نصف اوّل عالم ہوش میں گزرا۔ ندی نیلاں میں طویل چلہ کشی کے بعد آپ حالتِ جذب میں رہنے لگے۔ ایک مجذوب کے اعمال قابلِ گرفت ہوتے ہیں نہ قابلِ تقلید۔ آپ کے اولین سوانح نگار غلام حسین شاہ بخاری کے ترجمان لکھتے ہیں:

"بعض وقت وہ مستی اور مجذوبیت کی حالت میں پائے جاتے تھے اور بعض وقت سالک باشرع نظر آتے تھے یہ ثابت ہے کہ حضرت برّی بادشاہ نے عالموں اور قاریوں کے ساتھ نمازیں پڑھیں۔ ایک مسجد بھی آپکے حکم سے تیار کرائی گئی تھی [illegible]

بارے میں بھی بہت اختلاف رہا ہے۔ کبھی تو نہایت نفیس سالکانہ رخت حضور کے زیب تن دیکھا جاتا تھا اور کبھی ایک کمبل پر گذران ہوتی تھی۔ بعض وقت انہوں نے اس کی بھی پرواہ نہ رکھی۔ حضرت شاہ برّی لطیف قدس سرہ کا طریق زندگی اس قدر سادہ رہا ہے کہ کبھی ان کو سامان اور اسباب کے مہیّا کرنے کی تکلیف اٹھانی نہ پڑی۔ بادشاہی زور شور کے وقت بھی آپ کے اخلاق ہر قوم کا دل گرویدہ کرنے والے تھے۔ چنانچہ ہندو بھی حاضر ہو کر جناب برّی بادشاہ کے مریدوں میں داخل ہوئے تھے۔ جیسا کہ فقراء کے گروہ میں اکثر پایا جاتا ہے مریدوں میں جو سالک اور باعلم ہوتے تھے ان کی نسبت احکام شرعی کی پابندی برابر پائی جاتی ہے بلکہ وہ ہر طرح احتیاط کرتے رہے ہیں کہ ان سے فروگذاشت نہ ہو۔ چنانچہ سیّد شاہ عنایت صاحب بخاری پورے باشرع فقیر تھے۔ لیکن جو مرید جذبات میں مست اور عرفان الٰہی کے زور شور میں ہوتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو کسی شرعی تکلیف

کے پابند نہیں رکھتے تھے"۔

یہ سب کچھ ترجمان کی حاشیہ آرائی ہے۔ ورنہ مصنف غلام حسین شاہ بخاری نے یہ تفصیل نہیں لکھی۔ شاہ لطیف کے بارے میں میری نظر سے ابتک کوئی ایسی تحریر نہیں گزری کہ آپ کو دھمال (قلندروں کا رقص) یا زنانہ رقص و سرود سے کوئی دلچسپی تھی۔

جدید روایات

شاہ لطیف بھٹائی کی وفات کے ڈیڑھ پونے دو صدی بعد آپکی بابت جو باتیں عوام میں مشہور تھیں انھیں غلام حسین شاہ بخاری متوفی ۱۸۹۴ء نے اپنے رسالے میں نقل کر دیا۔ رواں صدی عیسوی کے آغاز میں اس رسالے کے مصنف کے فرزند لعل شاہ بخاری متوفی ۱۹۱۷ء نے اس کا اُردو ترجمہ کرا کے شائع کیا۔ مترجم نے بعض واقعات میں ردو بدل کیا اور بعض ایسی روایات کا اضافہ کر دیا جو اصل نسخے کی کتابت کے بعد مشہور ہوئیں۔ اس اُردو ترجمے کی اشاعت کے نصف صدی بعد تک جن روایات کا اضافہ ہُوا اسے حال کے لکھنے والوں نے اپنی تصانیف

؎ کمالاتِ لطیف ص ۱۰۶

میں جگہ دی۔ ان نئی روایات کو نیہاں درج کیا جاتا ہے ۔

ترکِ وطن کی وجہ

شاہ محمود نے اپنے وطن کرسال کو چھوڑ کر موضع باغ کلاں میں سکونت اختیار کی اس ترکِ وطن کی وجہ آپ کے اولین سوانح نگار غلام حسین شاہ بخاری متوفی ۱۸۹۴ء نے شرکائے اراضی کا ایک باہمی تنازعہ بتایا ہے اور ان کے مترجم نے لکھا " کسی باہمی رنجش کے باعث سید شاہ محمود نے موضع کرسال کو چھوڑ دیا" اس باہمی رنجش کو جہلا نے پابندِ شریعت لوگوں کو بدنام کرنے کیلئے استعمال کیا اور پڑھے لکھوں نے جہلا کی اس بے سند جدید روایت کو ۱۹۵۵ء میں پُر تاثیر الفاظ میں اس طرح پیش کیا :

" حضرت سیّد عبداللطیف سے جب فوق الفطرت باتیں ظہور پذیر ہونی شروع ہوئیں تو آپ کی شہرت دُور دُور پھیل گئی مرد و زن جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے ۔ اور علم و عرفان کے سمندر سے حسبِ استعداد مستفید ہو کر گھروں کو لوٹنے لگے آپ بچپن ہی میں بڑے بڑے دقیق مسائل دینی پہ تے تکان روشنی ڈال لیتے تھے اور شریعتِ حقہ بیان فرماتے ۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولوی جنہوں نے اسلام کو غلط رنگ میں پیش کرکے اپنے روزگار کی بڑی بڑی دکانیں سجا رکھی تھیں بارود کی طرح بھڑک اُٹھے انہوں نے آپکے والد حضرت شاہ محمود کو بُلا کر دھمکایا کہ شاہ عبداللطیف کو روکیں ورنہ اُنھیں قتل کر دیا جائے گا مگر حضرت شاہ محمود نے آوازِ حق کو دبانے سے انکار کر دیا۔ اس پر بعض مولویوں نے کفر و الحاد کے فتوے لگا دئے مگر وہ اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے آخر مولویوں کی مخالفت سے تنگ آکر شاہ محمود نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ سُنتِ نبوی کی پیروی کریں اور چوبیاں، کر سال سے ہجرت کر جائیں۔[۱]

تعلیم

قیام پاکستان سے پہلے کسی لکھنے والے نے شاہ لطیف بری کو خواندہ نہیں بتایا۔ آپکی وفات کے ڈھائی سو سال بعد صاحب "حضرت امام بری" نے یہ انکشاف کیا،

---

[۱] حضرت امام بری ص ۱۱ - ۱۲

" غورغشتی میں تقریباً دو سال میں فقہ ، حدیث، منطق ، ریاضی ، طب اور دیگر علوم حاصل کئے۔ پھر وہاں سے کشمیر، بدخشاں، بخارا، مشہد، بغداد کربلائے معلےٰ ، مدینہ منورہ ، مکہ معظمہ اور دمشق میں بڑے بڑے علمائے وقت سے مباحثے اور مناظرے رہے اور تقریباً ۲۵ سال کی عمر میں واپس گھر آئے۔"

تدریس القرآن

۱۹۵۵ء میں صاحب "حضرت امام بری" نے شاہ لطیف کو پہلی بار علوم متداولہ کا عالم لکھا۔ دس سال کے اندر اندر لوگوں نے اس خاکے میں متنوع رنگ بھر دئے اور دو زندہ افراد کی زبانی یہ روایت نقل کی:

" روائیت ہے کہ شاہ جہان کے آگے ان کے اہلکاروں نے حضرت شاہ لطیف کے متعلق شکایت کی کہ ان کے پاس کثیر التعداد طلبا اور مریدین ہیں اور بظاہر

ے ص ۱۶

کوئی ذریعہ آمدن نہیں معلوم ہوتا ہے یہ کسی بیرونی بادشاہ کے ساتھ ساز باز رکھتے ہیں جس سے ان کو امداد مل رہی ہے"۔

ازاں بعد یہی مصنف کہتے ہیں کہ شاہجہان نے آپکو طلب کیا مگر آپ نہیں گئے۔ پھر شہزادہ اورنگ زیب خود حاضر خدمت ہوا۔ اس وقت آپ طلباء کو درس دے رہے تھے۔ لہذا شہزادہ کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ درس سے فارغ ہو کر شرفِ ملاقات بخشا شہزادہ آپ کے استغنا اور نصائح سے بہت متاثر ہوا اور واپس آکر شاہجہان سے کہا کہ "جسے لوگ واجب القتل سمجھتے ہیں وہ اللہ کا ولی ہے" اس جدید روایت کو مصنف نے "حضرت برّی امام کا تدریس القرآن اور اورنگ زیب عالمگیر سے ملاقات" کے تحت درج کیا ہے۔

وفات

شاہ لطیف برّی کے اوّلین نسب نگار محمد شاہ مشہدی نے نسب نامہ شریف میں آپ کا سنِ وفات ۱۱۱۷ھ (۶-۱۷۰۵ء) لکھا ہے وہ لکھتے ہیں:

وفاتِ آن ولی را کنم آشکار
شدہ یک صد و ہفت دہ یک ہزار
نشانِ قبرآں سراپائے نور
بہشتی مکاں است در نورپور

یہی سن وفات صابر حسین شاہ متوطن ساگری ضلع راولپنڈی نے اپنے تحریر کردہ کرسی نامے سے نقل کرکے ہمیں دیا ہے۔ اس سنِ وفات پر شبہ کی کوئی وجہ نہیں۔ قرائن سے یہ درست معلوم ہوتا ہے۔ آپ شاہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہدِ حکومت (۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۸ء – ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء) میں اس مقام پر تشریف لائے جسے آپ نے نور پور کے نام سے موسوم کیا۔[1] ابوالبرکات سید حسن پشاوریؒ آپ سے ۱۰۷۷ھ میں ملے[2] اور شاہ محمد غوث لاہوری ۱۱۱۶ھ میں[3]

مدفن

شاہ لطیف برّیؒ کا انتقال ۱۱۱۷ھ میں نور پور شاہاں میں

---

[1] ضمیمہ ۶

[2] ضمیمہ ۱

[3] ضمیمہ ۲

ہُوا۔ وہیں دفن ہُوئے۔ قبر پختہ ہے جس پر ایک شاندار گنبد ہے جو فنِ تعمیر کے اعتبار سے مغل دورِ حکومت کا معلوم ہوتا ہے۔ لوحِ مزار ۱۹۶۴ء میں نصب کی گئی، اس لوح کی عبارت لکھنے کا شرف مولوی نظام الدین کاتب (مکان نمبر ۴۷ کارتیلی محلہ راولپنڈی) کو حاصل ہوا اور اس عبارت کو راولپنڈی ماربل ورکس چوک راجہ بازار راولپنڈی کے کارندے محمد صادق نے کندہ کیا۔ اس لوح اور قبر پر ہر وقت تیس چالیس غلاف پڑے رہتے ہیں۔

قیام پاکستان سے پہلے کی کوئی تحریر ہماری نظر سے نہیں گزری جس سے معلوم ہو کہ یہ مزار کس کے حکم سے تعمیر ہُوا۔ پہلی مرتبہ ۱۹۶۵ء میں صاحبِ "حیات برّی امام" نے لکھا کہ "شہنشاہ محی الدّین عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ نے شاندار مقبرہ تعمیر کروایا۔"

مقبرے کے اندر غربی دیوار کے طاق میں وہ تاریخی چراغ رکھا ہُوا ہے جس میں سوا سیر روز کے حساب سے اب تک کم و بیش تین ہزار من خالص گھی جل چکا ہے۔ برآمدے میں ایک مقفل صندوقچی رکھی رہتی ہے۔ ۱۵ اگست ۱۹۶۶ء کو میں اس مزار پر ایک گھنٹہ ٹھہرا

؎ ص ۸۶

مزار پر اکیس مرد و زن آئے جن میں سے صرف تین نے صندوقچی میں کچھ کچھ رقم ڈالی یہ صندوقچی ہر پندرہ روز بعد کھولی جاتی ہے۔ میری موجودگی میں صندوقچی کھولی گئی تو اس میں ۹ ۳ ۵ روپے ۲۵ پیسے نکلے جن میں کچھ کھوٹے سکے بھی تھے۔ ضلع راولپنڈی کے محکمہ مسلم اوقاف کے پاس کل تیرہ اوقاف ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ آمدنی جامع مسجد راولپنڈی سے ہوتی ہے اور دوسرا نمبر مزار شاہ لطیف کا ہے۔ اور ضلع کے مسلم اوقاف سے جو آمدنی ہوتی ہے اس کا پانچویں حصے سے زیادہ مزار شاہ لطیف سے ہوتا ہے۔ اس مزار سے بیس ہزار روپے سالانہ سے زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔ اس آمدنی کا تقریباً چوتھا حصہ پانچ روزہ عرس کے موقع پر ہو جاتا ہے۔ اس آمدنی میں شاہ چین کے مزار کی آمدنی بھی شامل ہے۔

مغربی پاکستان گورنمنٹ نوٹی فیکیشن مجریہ ۶ جولائی ۱۹۶۰ء کی رو سے یہ مزار اور اس سے متعلق جائیداد سرکاری تحویل میں آگئی۔ محکمہ اوقاف کے قبضہ سے قبل درگاہ شریف کی آمدن کے حصے دار تقریباً ساٹھ گھر (۹۹ افراد۔ ناقل) تھے جو ہر ہفتہ کے بعد نذرانوں کو آپس میں تقسیم کر لیتے تھے اور طریق کار یہ تھا کہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کی کل آمدن کا ٹھیکہ کیا جاتا۔ اس ٹھیکے کی جتنی رقم ہوتی

وہ حصّہ داروں میں حسبِ حصص تقسیم کی جاتی۔ اس طرح کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملتا۔ سُنا ہے کہ سردیوں میں ایک ہفتہ کا ٹھیکہ دو صد سے تین صد تک ہوتا تھا اور گرمیوں میں پانچ چھ صد سے ہزار بارہ صد تک ہے

نور پور شاہاں کے بازار کے آخیر میں سات کنال سترہ مرلے زمین کو احاطہ کئے ہوئے ایک چار دیواری ہے۔ اس کے مغرب میں بازار والی گلی اور جنوب میں نالہ ہے۔ اس احاطہ کا دروازہ بازار کے سرے پر ہے۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ کو مسجد ہے۔ جسے دربار والی مسجد کہتے ہیں۔ اس گاؤں میں نمازِ جمعہ صرف اس مسجد میں ہوتی ہے۔ مسجد کے مسقف حِصّے کی دیواریں تین تین فٹ چوڑی ہیں۔ اندر صرف ایک صف آسکتی ہے۔ جس میں تیرہ چودہ نمازی کھڑے ہو سکتے ہیں۔ برآمدے میں دو صفیں بنائی جا سکتی ہیں اس برامدے پر پہلے ٹین کی چھت پڑی ہُوئی تھی۔ سال گذشتہ محکمہ اوقاف نے اسے پختہ کرا دیا۔ صحن میں تین صفیں بچھائی جا سکتی ہیں۔

اس چار دیواری کے شرقی حِصّہ میں ایک چبوترہ ہے۔ جسے کلا ماڑی کہتے ہیں۔

۔ حیات بری امام پہلا ایڈیشن ص ۴۲

اس چبوترے پر چڑھنے کے لئے پتھر کی ایک سِل پڑی ہوئی ہے جس پر دو نشان کندہ ہیں۔ بعض جہلا کہتے تھے کہ یہ نشان حضرت بری امام کی کھڑاؤں کے ہیں۔ بری امام یہاں کھڑاؤں اتار کر اس چبوترے پر نماز پڑھا کرتے تھے۔ میں تو جب بھی اسے دیکھنے گیا وہاں کسی کو نہ پایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نشان والی روائیت کو قبولیّت عامہ کی سند حاصل نہ ہو سکی۔

بیرونی احاطے کے شمال مغربی حصّے میں ایک اور احاطہ ہے۔ اس اندرونی احاطے میں بّری امام کا مزار ہے۔ اندرونی احاطے کے جنوب اور مشرق میں ایک ایک دروازہ ہے جو بیرونی احاطے میں کھلتے ہیں۔ شرقی دروازے سے داخل ہوتے ہی دائیں طرف بالخانہ ہے اور بائیں طرف ایک مسقف جگہ ہے جسے مچ (آتش کدہ) کہتے ہیں۔ مقامی روایت ہے کہ اس مچ میں شاہ لطیف نے آگ جلائی تھی اور جب تک یہ مزار فقراء کے ہاتھ میں رہا یہ آگ ٹھنڈی نہ ہونے پائی اور اس میں اوسطاً دس من لکڑیاں روزانہ جلتی رہیں۔ اس حساب سے تین پونے تین سو سال میں یہاں دس لاکھ من لکڑی جل چکی ہے۔ ممکن ہے اس میں کچھ مبالغہ ہو ۱۹۶۰ء تک میں نے اس میں ہمیشہ ایک موٹی سی لکڑی کو سلگتے ہوئے پایا۔ اس سے جو راکھ بنتی تھی

اسے یہاں کی اصطلاح میں خوردہ یا خاکِ شفا کہتے ہیں۔ اسے چھان کر چٹکی چٹکی راکھ کی پڑیاں بنالی جاتی تھیں۔ معتقدین اسے ہر مرض کی دوا سمجھتے تھے اور اس کے عوض کچھ نہ کچھ رقم دیجاتے تھے۔ اب اس مچ میں آگ نہیں ہوتی۔

اس اندرونی احاطے میں کچھ درخت بھی ہیں۔ مچ کے شرقی جانب جو درخت ہے اس کی ڈالی ڈالی پر بالوں کی لٹیں لٹکی ہوئی ہوا کرتی تھیں۔ اولاد کی خواہاں خواتین مزار پر آ کر منت مانتی ہیں لڑکا پیدا ہو جائے تو اس کے بال منڈواتے وقت ایک لٹ چھوڑ دی جاتی ہے۔ سال دو سال بعد جب بھی استطاعت ہوتی ہے یہ منت اُتاری جاتی ہے۔ بالوں کی لٹ کاٹ کر اس درخت سے باندھ دی جاتی ہے اب یہ لٹیں یہاں سے اتار کر پھینک دی جاتی ہیں کہ تعفن نہ ہو لٹ باندھنے کے ساتھ ہی بکرا، مُرغا۔ نقدی یا غلاف مرقد کی شکل میں مجاوروں کو ہدیہ عقیدت پیش کر دیا جاتا تھا۔

اسی اندرونی احاطے میں شاہ لطیف کا گنبد دار مقبرہ ہے جو فنِ تعمیر کے اعتبار سے مغل عہد کا معلوم ہوتا ہے۔

باب ۳

کراماتِ شاہ لطیف برّیؒ

حضرت شاہ لطیف برّیؒ کے دو فاضل ہم عصروں نے آپ کو صاحبِ کشف مجذوب لکھا ہے۔ شاہ محمدؒ غوث لاہوریؒ فرماتے ہیں:

• پھر شاہ لطیف کے پاس نیڈی گیا۔ یہ صاحبِ کشف وجذب مجذوب ہیں۔ انھیں اور ان کے کشف وجذب کے آثار کو دیکھا۔ لیکن فقیر کے مطلب کی

کی یہاں کوئی چیز نہ ملی[1]

اس ہم عصر شہادت کے پونے دو سو سال بعد شاہ لطیف برّی کی ذاتِ گرامی سے جو کرامات منسوب تھیں انھیں آپ کے فقرا میں سے ایک بزرگ غلام حیدر شاہ بخاری متوفی ۱۸۹۴ء نے اپنے رسالے (ضمیمہ ۲) میں یکجا کر دیا۔ ان روایات کو ہم سطور آئندہ میں درج کرتے ہیں۔ گذشتہ اسی نوّے برس میں ان میں جو تبدیلی یا اضافہ ہُوا اس کا بھی ذکر کیا جائیگا۔

فصل پھر سے اگ گئی

امام برّی کی عمر تقریباً بارہ سال کی تھی[2]۔ آپ موضع باغ کلاں کے ایک داخلی موضع میں سو بھینسیں چراتے چراتے ایک شیشم کے درخت کے سائے میں سو گئے اور بھینسوں نے ایک کھیت کی کھڑی جوار کا صفایا کر دیا۔ مالک کھیت کی شکایت پر شاہ محمود فوراً جائے وقوعہ پر پہنچ گئے۔ فرزند کو محوِ خواب پایا تو غصہ آگیا۔ وہیں ملنا شروع کر دیا۔ شاہ لطیف

---

[1] ضمیمہ نمبر ۲

[2] یہی مصنف لکھتے ہیں کہ موضع باغ کلاں میں [illegible] وقت شاہ محمود کی عمر اٹھتر سال تھی [illegible]

بیدار ہوئے تو فرمایا کہ یہ دہقان جھوٹ بول رہا ہے۔ کھیت میں جا کر دیکھا تو کوئی نقصان نظر نہیں آیا۔ فصل ویسی ہی کھڑی تھی دہقان نے شرمندہ ہو کر شاہ بری کے پاؤں پر سر رکھ دیا اور گریہ وزاری کرکے معافی کا خواستگار ہوا۔ یہ دہقان اور اس کا قبیلہ چالیس دوسرے مردوں سمیت شاہ لطیف بری کا مرید ہو گیا۔

ستراسی سال بعد اس روایات میں صرف اس قدر تبدیلی کی گئی کہ "وہ دہقان اپنے خاندان سمیت مسلمان ہو گیا"[۱،۲]

درخت ہرا بھرا ہو گیا

نقل ہے کہ شاہ لطیف بری شیشم کے ایک خشک درخت کے نیچے بیٹھا کرتے تھے ایک روز چند آدمی اپنے مویشیوں کے ساتھ وہاں آئے درخواست کی کہ بزرگوں سے سنتے آئے ہیں کہ تین ہزار سال سے یہ درخت خشک ہے۔ اگر یہ سرسبز ہو جائے تو بہت اچھا

---

[۱] اس وقت شاہ لطیف بری کی عمر بارہ سال بتائی گئی ہے۔ گویا آپ اس وقت نابالغ تھے اور صوفیا کے کسی خانوادے سے بیعت ہونے کے علاوہ مجاز بھی تھے!

[۲] حیات تیھا مام ۱۹۶۵ء ص ۳۹

ہو۔ آپ نے دُعا کی اور وہ درخت فوراً سرسبز ہو گیا خدائے تعالےٰ نے اس درخت کو بھی بعض کرامات بخش دیں۔ جو کوئی بھی صدقِ دل کے ساتھ حسد، کذب، غیبت اور حرام ضمیر سے پاک ہو کر اس درخت سے مراد مانگے گا وہ فوراً پوری ہو جائے گی۔

اس مشرکانہ اور خالص ہندوانہ نقل کو جہلا نے بھی قبول نہ کیا اور اب اسے کوئی بیان نہیں کرتا۔ ۱۹۵۵ء میں اس نقل کو مصلحانہ سانچے میں اس طرح ڈھالا گیا:

"روایت ہے کہ آپ ایک روز جور پور جنگل میں ایک خشک اور کہنہ سال درخت کے نیچے بیٹھے تھے کہ ہندو یاتریوں کا ایک قافلہ وہاں پہنچا۔ آپ نے یاتریوں سے دریافت کیا "تم لوگ اثاثہ و سامان اُٹھائے کہاں جا رہے ہو؟" ان میں سے ایک نے جواب دیا: پریاگ۔ آپ نے پھر پوچھا وہاں کیا کرو گے؟ جواب ملا گنگا اور جمنا کے سنگم پر اشنان کر کے اپنے پاپ صاف کریں گے۔

"آپ نے فرمایا، گناہ نہانے سے صاف نہیں ہوتے۔ [illegible]

گناہ صاف ہوتے ہیں ــــــــ ہندو یاتریوں نے آپکی باتوں کا مذاق اڑایا اور ایک ہندو پروہت بولا اگر محض عبادت الٰہی ہی سے انسان خدا کے قریب ہو سکتا ہے تو آپ تو کئی برسوں سے اس خشک اور پرانے شیشم کے نیچے عبادت کر رہے ہیں مگر خدا نے آپ پر رحم نہیں فرمایا ورنہ وہ اس درخت کو ہرا بھرا کر کے آپ کے سر پر چھاؤں کا انتظام کر دیتا۔

ہندو پروہت کی اس تقریر پر آپ مسکرائے اور کہا 'میرے اللہ کیلئے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہم مسلمان اس کی ذات پر توکّل رکھتے ہیں۔ وہ بڑا غفور الرحیم ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس درخت کو فوراً ہرا بھرا کر دے۔ کیونکہ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے آیتِ کریمہ پڑھی اور دُعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ مجیب الدعات نے آپ کی دُعا قبول کی۔ شیشم کا خشک اور کہنہ سال درخت فوراً ہرا بھرا ہو گیا۔ اس کی شاخیں بڑھ گئیں۔ ہندو یاتریوں کا پورا قافلہ یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا اور آپ کے دستِ مبارک پر حلقہ بگوش

اسلام ہوا ہے[1]

ماش سنگریزے بن گئے

نقل ہے کہ آپ کے ایک مزارع نے ماش کی تخم ریزی کی فصل پک گئی تو اٹھا کر گھر لے گیا۔ چھڑتے وقت اس کی نیت میں فتور آیا کہ کچھ دال چرا کر رکھ لی جائے۔ اچانک اس ڈھیر پر شاہ لطیف گئے اور پوچھا کہ کس قدر ماش ہوئے ہیں۔ زمیندار نے جواب دیا کہ تو مالک ولایت ہے۔ تجھ سے کیا چیز پوشیدہ۔ شاہ نے فرمایا ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ کتنے من ماش ہوئے ہیں۔ تین بار پوچھا اور ہر بار زمیندار ٹال گیا اس دروغ گوئی پر آپ جلال میں آگئے اور فرمایا ماش کہاں ہیں۔ اسی وقت یہ ماش کنکر پتھروں میں تبدیل ہوگئے مزارع شرمندہ و حیران پریشان ہوا لیکن یہ حیرانی و پریشانی بے سود تھی۔

اس روایت میں مزارع نے کچھ دال چرانے کا محض قصد کیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد وہ ساری فصل اٹھا کر گھر لے گیا اور آپکی خدمت میں حاضر ہو کر کہہ دیا کہ فصل میں کچھ نہیں ہوا۔[2]

---

[1] حضرت امام بر ص ۱۷ - ۱۸

[2] حضرت امام بر ۱۹۵۵ ...

نیز مزارع جھوٹ بولنے اور آپکو دھوکا دینے پر سخت نادم ہُوا اور فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگی۔ آپ نے اُسے جھوٹ اور فریب سے ہمیشہ پرہیز کی تلقین فرمائی اور معاف کر دیا جب مزارع واپس اپنے گھر پہنچا تو اس نے دیکھا کنکر اور پتھر دوبارہ ماش بن گئے ہیں[1]

اس تحریر کے دس سال بعد یہ ماش پھر سے کنکر پتھر بن کر شاہ محمود کے مزار کے قریب پائے گئے چنانچہ " جو ماش کنکر پتھر بنے تھے اور وہ اب تک موضع باغ کلاں میں برّی امام کے والد شاہ محمود کے مزار کے قریب پڑے ہُوئے ہیں"[2]

قوم ٹھوڈ کی ہلاکت

ایک روز آپ تبرکوٹ میں بیٹھے تھے۔ اچانک قوم ٹھوڈ[3] کے بائیس ہزار مسلح افراد قوم ستی پر حملہ آور ہوئے۔ آپ نے حملہ آور دل

---

[1] حضرت امام بری ۱۹۵۵ء ص ۳۶

[2] حیات بری امام ۱۹۶۵ء ص ۵۰

[3] انگلے اردو مترجم نے ہوڈ لکھا ہے۔ ٹھوڈ، ٹھور، نھوڑ، نھوڈ یا ہوڈ نام کی اس علاقے میں کوئی قوم نہیں۔ ممکن ہے ڈھونڈ مراد ہو۔ مری تحصیل کی دو مشہور اقوام ڈھونڈ اور ستی ہیں۔

کو منع کیا مگر وہ باز نہ آئے۔ آپ نے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا تھوڈ کھاس ہے اور سنی داس اس وقت ایک بڑا پہاڑ گرا اور قوم تھوڈ میں سے ایک بھی نہ بچا۔

غلام حسین شاہ بخاری ۱۸۹۴ء کی اس نقل کردہ روایت کو قیام پاکستان کے بعد زیبِ داستان کے لئے یہ شکل دی گئی:

"تبلیغ کے سلسلہ میں آپ ایک مرتبہ تبر کوٹ تشریف لے گئے جہاں ستی قوم آباد تھی، آپ نے اس میں تبلیغ کا کام شروع کیا اور ستی قوم مسلمان ہوگئی اس پر ایک اور قبیلہ تھوڑ، جو اس وقت بُت پرست تھا سنی قوم سے ناراض ہوگیا اور برہمنوں اور ہندوؤں کے اکسانے پر تھوڑ قوم کے بائیس ہزار مسلح افراد ستی قوم پر چڑھ دوڑے۔ جب آپ کو قوم تھوڑ کے لشکر کی آمد کی اطلاع ملی تو آپ لشکر کے سرداروں کے پاس گئے اور انہیں سمجھایا کہ شر انگیزی نہ کریں اور جنگ کے ارادے سے باز آجائیں۔ اس کے ساتھ آپ نے ایک تقریر فرمائی جس میں آپ نے اسلام کے سیدھے سادے اصول بیان کئے

اور بت پرستی سے توبہ کر کے امن و آشتی کی راہ
اختیار کرنے کی تلقین کی۔ آپ کی تقریر سے نہوڑ
قوم کے سردار بڑے متاثر ہوئے، مگر برہمنوں
نے ڈرایا دھمکایا اور شعبدہ بازی کا مظاہرہ کر کے
انھیں جنگ پر آمادہ کر دیا۔ ان میں سے ایک سردار
دھنگ نامی اپنے کنبے سمیت مسلمان ہوا اور بڑی
امام سے خلافت پائی۔ دوسرے روز طبلِ جنگ
بجا۔ آپ نے ہتھیار سجائے اور سنی قوم کے مجاہدین
کی صفیں درست کر کے مقابلے کے لئے نکلے نہوڑوں
نے حملہ کیا جس کا ترکی بہ ترکی جواب دیا گیا اور آپ
کے ہاتھوں سینکڑوں جہنم واصل ہوئے۔ نہوڑ شکست
کھا کر بھاگے اور فنا کے گھاٹ اُتار دئیے گئے"ہ

۱۹۵۵ء کی یہ روایت پسپر جمانے لگی ہے چنانچہ ۱۹۶۵ء
اور ۱۹۶۷ء میں ایک دوسری کتاب "حیات بری امام" کے دونوں
ایڈیشنوں میں اسے حرف بحرف نقل کیا گیا ہے۔

ہ حضرت امام بری ۱۹۵۵ء ص ۱۹-۲۰

بھینس پتھر بن گئی

ندی نیلاں سے آپ کا مرید صادق آپکو اپنے گھر لایا تھا اس نے دودھ پینے کیلئے شاہ لطیف کو ایک بھینس دی جو پیدا ہو کر اسی روز مر گئی۔ اس طرح ستر دن میں ستر بھینسیں مر گئیں اور صرف ایک بانجھ بھینس باقی رہ گئی۔ شاہ لطیف نے فرمایا کہ اس کی کمر پر ہاتھ پھیر کر دودھ دوہ لو اس نے ستر بھینسوں کے برابر دودھ دیا۔ آپ نے فرمایا دریا پر جاکر ایک ایک بھینس کا نام لے کر پکارو پیچھے نہ دیکھنا۔ دریا پر جاکر ایک بھینس کا نام لیا وہ باہر نکل آئی۔ اس طرح ڈھائی ہزار بھینسیں دریا سے برآمد ہو چکیں تو مرید سے صبر نہ ہو سکا اس نے پلٹ کر دیکھا کہ ایک بھینس دریا سے نکل رہی ہے۔ وہ وہیں پتھر بن گئی۔ اب تک یہ پتھر موجود ہے۔ شاہ لطیف نے فرمایا کہ اگر مڑ کر نہ دیکھتا تو قیامت تک دریا سے بھینسیں نکلتی چلی آتیں۔

بھینس زندہ ہو گئی

نقل ہے کہ پیر جی کے مریدوں میں سے ایک نے ساجھے کی بھینس ذبح کر لی۔ وہ مر ...

گیا۔ تنازع ہو رہا تھا کہ شاہ لطیف اِدھر آ نکلے۔ آپ نے اس بھینس کے سر پر اپنا جوتا مارا اور فرمایا کہ امرِ ربّی سے زندہ ہو جا۔ وہ بھینس زندہ ہو گئی۔

بھنّہ شاہ کی ہلاکت

روایت ہے کہ بھنّہ شاہ بخاری متوطن اُچھ کو غصّہ آیا کہ میری ولایت میں ایک مشہدی کس طرح آ گیا۔ وہ ایک لاکھ بھوڑے والے جلالی ملنگوں کو لے کر برّی امام کے مقابلے کے لئے چلے۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ امام برّی کے باطنی تصرف سے ان کا آدھا جسم پتھر کا بن گیا۔ مہر شاہ خراسانی سکنہ نصرالہ کو اس کا علم کشف سے ہُوا اور برّی بادشاہ سے سفارش کی۔ بھنّہ شاہ کا جسم اصلی حالت پر آ گیا۔

نُور پُور آ کر بھنّہ شاہ نے ایک چراغ روشن کیا جو ہوا میں تیرنے لگا۔ اس پر امام برّی نے ایک کاغذ کو گھاس پر رکھا اور اس میں گندم بھون کر صدہا حاضرین کو کھلائی اور ایک دیگ تیار کر کے سب مہمانوں کی ضیافت کی۔ بھنّہ شاہ نے اپنے شیر کیلئے گائے اور سانپ کیلئے مُرغ اور بطخ طلب کئے " حضرت برّی بادشاہ نے فرمایا کہ ہماری گائیں اور مرغے شہر میں ہیں۔ شیر اور سانپ کو

چھوڑ دو کہ شہر میں جاکر بسیں۔ جب صبح ہوئی تو چار گھڑی گذرنے پر سائیں بھنہ شاہ صاحب نے اپنے شیر اور سانپ کے واسطے آدمی گانوں میں بھیجا۔ اس نے جاکر دیکھا کہ گائے شیر کو نگل رہی ہے اور ایک مرغی سانپ کو نگل رہی ہے۔ صرف دونوں کی دُم باقی رہ گئی ہے۔ یہ سُن کر سائیں بھنہ شاہ صاحب معہ اپنے مریدوں کی فوج کے وہاں پہنچے یہ سب دیکھ کر حیران رہ گئے۔ سائیں بھنہ شاہ صاحب نے کہا کہ حضرت بری بادشاہ کا مقابلہ ہم سے ہونا محال ہے۔ خانپور کی سمت کو کہیں چل دیئے۔ جب پہاڑ پر پہنچے تو اسی جگہ پہلو درد سے انتقال کیا۔ ٭

عالموں کی ہلاکت

آپ کے پاس علما آئے اور آپ کی روش پر چند اعتراضات کئے۔ آپ نے فرمایا صافی اٹھا کر دیکھو۔ صافی اٹھائی تو مشکوں میں دودھ تھا۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ آپ کے جسم پر صرف ایک کمبل ہے۔ آپ نے چھری سے اپنی ران پر شگاف کیا تو اس میں سے اطلس، کمخواب، مخمل، دریائی وغیرہ ستر قسم کے کپڑے نکل آئے۔

٭ نسخہ صحیح کرامات شاہ لطیف [illegible] (قلمی) [illegible]

بعد ازاں یہ علما پشاور کی طرف روانہ ہوئے۔ شاہ برّی نے متنبہ کیا کہ ہوشیار رہنا۔ حسن ابدال پہنچو گے تو تم پر وار کروں گا۔ یہ لوگ برہان کے نزدیک پہنچے تو باہم لڑ پڑے۔ لاٹھیوں اور تلواروں سے ایک دوسرے کو ہلاک کر دیا۔ صرف ایک نیم جاں باقی بچا۔

غلام حسین شاہ بخاری کے اردو مترجم نے اس روایت میں سے صرف کپڑوں کا ذکر کیا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد لکھنے والوں نے اس روایت کے کسی بھی حصے کو اپنی تصانیف میں جگہ نہ دی۔

بہادر شاہ کی عقیدت

کہا جاتا ہے کہ شاہ لطیف برّی کے اوصاف اور کشف کا شہرہ سُن کر بہادر شاہ بادشاہ دہلی سے آیا اور طالب بنا۔ اس نے آپ کی خدمت میں گراں بہا جواہرات پیش کئے۔ آپ نے یہ جواہر پھینک دئے اور بادشاہ کو آنکھ بند کرنے کیلئے کہا۔ بادشاہ نے مراقبے میں دیکھا کہ بیشمار

۔ بہادر شاہ اوّل شاہ لطیف برّی کے انتقال کے دو سال بعد تخت نشین ہوا۔ سپاپنے دورِ حکومت میں وہ ایک بار دہلی سے لاہور تک آیا اور مزید شمال میں نہیں گیا۔

بے بہا گوہر اور جواہر مصلے کے نیچے نمودار ہوئے ۔

اس رسالے کے اردو مترجم نے آخری فقرے کا یوں ترجمہ کیا "حضرتِ شاہ صاحب کے مصلے مبارک کے نیچے جواہرات کی بہتی نہر چلتی ہوئی دیکھی" ہمارے ہم عصروں نے اس روایت کو بڑھا چڑھا کر لکھا ہے ۔ ان لکھنے والوں میں سے ایک نے لکھا،

" وقائع عالمگیری میں حضرت شاہ عبداللطیف کا تذکرہ موجود ہے ۔ اس کتاب میں شہنشاہ اورنگ زیب کا ایک خط مندرج ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے شہزادہ اعظم کو لکھا۔ اس میں بہادر شاہ اوّل کی شاہ لطیف سے ملاقات کا ذکر ہے جس کے دوران بہادر شاہ نے انھیں زر وجواہر کی پیشکش کی مگر امام صاحب نے یہ مصرعہ پڑھ دیا۔

رازق ما رزق بے منت دہد

اور زر وجواہر کو ٹھکرا دیا تھا اس روایت کے مطابق بہادر شاہ [illegible] ۳ [illegible] شاہ لطیف کے

تھا۔[۱]

یہ صحیح عقیدہ رکھنے والے جنتی لوگوں کی باتیں ہیں ورنہ ۱۷۱۲ء میں شاہ لطیف بری، اورنگ زیب عالمگیر یا بہادر شاہ اوّل میں سے کوئی بھی اس جہان میں نہیں تھا۔ وقائع عالمگیری میں اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط کے اب تک جو مجموعے شائع ہوئے ہیں ان میں کسی میں بھی شاہ لطیف بری کا ذکر نہیں۔ جس خط میں مصرع رازق مارزق ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ آیا ہے شہزادہ معظم کے نام ہے اور اس کی ابتدائی سطور حسب ذیل ہیں:

"فرزندِ عالیجاہ - یاد داریم کہ روزی بخدمت میاں عبداللطیف قدس سرہ شریف رفتیم و در اثنائے کلام گفتیم کہ اگر اجازت باشد چند دہ از مضافات کھرگون برائے مصارف خانقاہ مقرر کردہ شود۔ این دو مصرعہ بزبانِ صدق ترجمان راندند بیت

شاہ مارا دہ دہد منت نہد
رازقِ مارزق بے منت دہد"

---

[۱] واقعات عالمگیری مرتبہ مولوی محمد علی مطبع مصطفائی لاہور ۱۲۹۵ھ رقعہ نمبر ۲ ص ۳۲

یہ میاں عبداللطیف برہانپوری متوفی ۱۰۶۱ھ (۱۶۵۰ء)
کا ذکر ہے اور کھرگون[1] صوبہ مالوہ کی سرکار بیجاگڈھ کا ایک محل تھا۔

برہمنی کو بچہ عطا کیا

مشہور ہے کہ ایک برہمن نے اولاد کیلئے درخواست کی۔ آپ نے تین بار لوح و قلم اور عرش و کرسی پر نگاہ ڈالی اور دیکھا کہ اس کی قسمت میں اولاد نہیں ہے۔ آپ نے کشف کے ذریعے دیکھا کہ کشمیر میں ایک شیرنی کے پیٹ میں دو بچے ہیں۔ وہاں سے ایک بچہ لے کر برہمنی کے شکم میں ڈال دیا۔ اس برہمنی کے ہاں لڑکا تولد ہوا۔ اس سے قبل یہ عورت رحمتہ اللہ علیہ شاہ چراغ سے تین بار اولاد کیلئے درخواست کر چکی تھی۔ بچہ ایک سال کا ہوا تو اسے وطن لے کر چلی۔ راستے میں شاہ چراغ کو جاکر بتایا کہ میرے لڑکا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو لڑکی ہے دیکھا تو واقعی اس کی گود میں لڑکی تھی۔ اس عورت نے شاہ لطیف کی خدمت میں حاضر ہو کر گریہ وزاری کی تو آپ نے اس لڑکی کو لڑکا بنا دیا اور فرمایا کہ دوسرے راستے سے جانا۔

---

[1] آئین اکبری کلکتہ ۱۸۷۳ء ص ۴۴۳ نیز آئین اکبری کا انگریزی ترجمہ [illegible]
کلکتہ ۱۹۴۹ء ج ۲ [illegible]

غلام حسین شاہ بخاری متوفی ۱۸۹۴ء کی اس منقولہ روایت کی بجائے صاحب "حیات بری امام" نے دو روایات دیں اور انہیں "بڑھیا کو بیٹا مل گیا" اور "سکھ عورت کو لڑکا مل گیا" کے عنوانوں سے لکھا۔ پہلی روایت میں شیرنی کا ذکر نہیں اور اس قدر اضافہ ہے کہ شاہ چن چراغ نے اس لڑکے کو دو مرتبہ لڑکی بنایا۔ دوسری روایت میں شیرنی کا ذکر ہے۔ واضح رہے کہ شاہ چن چراغ (راولپنڈی) اور بری امام ہم عصر نہ تھے۔

پیر غائب

غلام حسین شاہ بخاری نے لکھا ہے:

کسی گفت کہ شاہ لطیف	کسی نے کہا کہ شاہ لطیف بادشاہ
بادشاہ مستور است۔ ایں	پردے میں ہیں۔ یہ روایت
روایت ضعیف است	کمزور ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معدودے چند لوگ اب بھی اس خیال کے ہیں کہ شاہ لطیف غائب ہو گئے تھے۔ سائیں نانگا ولایت حسین نے راقم الحروف کو بتایا کہ شاہ بری نور پور شاہاں سے غائب ہو گئے اور سندھ میں جا کر ظاہر ہوئے اور وہاں شاہ عبداللطیف بھٹائی کے نام سے معروف ہیں۔

جدید روایات

جن گیارہ روایات کو سطورِ گذشتہ میں نقل کیا گیا ہے۔ وہ پچھلی صدی عیسوی کے آخیر میں مشہور تھیں۔ ان میں آئے دن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ جدید روایات میں سے جو شائع ہو چکی ہیں انھیں یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

دیو پتھر بن گیا

"نورپور شاہاں کے شمال مغربی پہاڑیوں میں ایک جگہ لوئی دندی کے نام سے مشہور ہے جہاں انسان نما سا پتھر اوندھے منہ پڑا ہے۔ جس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دیو تھا جو حضرت بری امام کی عبادت میں مخل ہوتا تھا۔ آپ نے اس کو کئی مرتبہ منع کیا مگر وہ باز نہ آیا۔ ایک روز آپ کو غصہ آ گیا۔ آپ ہرنی کی کھال کے مصلے سے اُٹھے اور دیو کو گردن سے دبوچ کر ہوا میں اچھال دیا۔ وہ دیو اوندھے منہ گرا اور پتھر بن گیا"

مذکورہ بالا پتھر انسان نما ہے۔ نہ اوندھے منہ پڑا ہے ...

۱؎ حضرت امام برہ ۱۹۵۵ء ص

ایک لمبا سا پتھر ہے۔ جو پہاڑی کے ساتھ معلق ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ روائیت اتنی جدید نہیں کیونکہ ہم نے اسے ۱۹۴۱ء میں بھی سُنا تھا۔ غلام حسین شاہ بخاری اور ان کے اردو مترجم نے اسے نقل نہیں کیا۔

راجگان کی ہلاکت

" جناب راجہ مظفر خاں صاحب مذکور بیان کرتے ہیں کہ ابتدائی طور پر حضرت بری امام یہاں آئے تو ایک روز کا ذکر ہے کہ ایک راجہ صاحب شکار سے واپس گھر جا رہے تھے۔ تو دیکھا حضرت بری امام کے خادم لنگر کے لئے ایک بکرے کا گوشت تیار کر رہے تھے۔ راجہ صاحب نے اپنا نوکر بھیجا کہ ان سے گوشت مانگ لاؤ۔ لیکن درویشوں نے کہا کہ گوشت تیار کرنے کے بعد حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کر دیں گے؛ وہ دعا فرمائیں گے اور اجازت ہوگی تب آپ کو بھی گوشت دیا جائے گا۔ یہ سُن کر وہ طیش میں آیا اور حضرت بری امام کے خادم کو کوڑے لگائے اور جبراً گوشت کاٹ کر لے گیا۔ اور جب حضرت شاہ صاحب سے شکائیت کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ میری پشت سے کپڑا اٹھاؤ جب پشت مبارک سے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو آپ کی پشت پر بھی کوڑے کے نشانات

موجود تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک تھیلی میں دو چھریاں نہیں رہ سکتیں۔ اب یہاں فقیر رہے گا یا راجگان رہیں گے۔

"اس واقعہ کے تھوڑے روز بعد راجگان کے تین بھائیوں میں سے ایک تو شکار کھیلتے ہوئے ہلاک ہو گیا اور دوسرے کو سانپ نے ڈس لیا تو وہ بھی مر گیا۔۔۔۔۔ آج ان راجگان کی اولاد سے ایک بچہ بھی یہاں نہیں۔"

یہ روایت پہلی مرتبہ "حیات بری امام" کے پہلے ایڈیشن میں، ۱۹۴۵ء میں شائع ہوئی مگر اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۶۷ء میں اسے شامل نہ کیا گیا۔ مگر چھینکا ہوا تیر کمان میں واپس نہیں آسکتا ضعیف الاعتقاد لوگوں کو ایک سند مل گئی۔

شاہ حسین زندہ کر دئے گئے

"رئیس نور پور شاہاں سب انسپکٹر پولیس مجاہد اہل سنت فدائے ملت حاجی ولی محمد خان صاحب کا بیان ہے کہ حضرت شاہ حسینؒ جو کہ حضرت بری امام کے سب سے زیادہ منظورِ نظر خلیفہ تھے (بعض حاسدوں نے بری امام کے ہاں زیادہ مقبول دیکھ کر قتل کر دیا اور ٹکڑے ٹکڑے کرکے پانی کے ایک گہرے گڑھے میں ڈال دیا۔ حضرت ... آپ کو پتہ چلا تو آپ نے [illegible]

دوبارہ زندہ کر دیا۔ بعد میں وقت مقررہ پر انتقال ہوا۔[1]

ہمیں معلوم ہے کہ کسی جھوٹی روائیت کو نقل کر کے کتنے ہی جلی حروف میں اس کے جھوٹا ہونے کی دلیلیں لکھ دی جائیں، یہ روایت جہلا میں ضروری مقبول ہو جاتی ہے اور کچھ عرصے بعد بعض پڑھے لکھے بھی ان عوامی روایات کو صحیح تسلیم کرنے لگتے ہیں ہم نے ان تمام روایات کو یہاں اس لئے جمع کر دیا ہے کہ مستقبل کا تاریخ نویس یہ اندازہ لگا سکے کہ اب سے اس کے زمانے تک کن کن کرامات کا اضافہ ہوا۔

---

[1] حیات تیزی اکام ۱۹۶۵ء ص ۵۰

باب ۴

شاہ لطیف بھٹائیؒ کے مرشد

صاحبِ تذکرہ غوثیہ نے شاہ امیر بالا پیرؒ بن حضرت مقیم محکم الدین محمودیؒ کو شاہ لطیف بھٹائیؒ کا مرشد بتایا ہے۔ اس واحد اختلافی روایت کے سوائے تمام زبانی اور تحریری روایتیں متفق ہیں کہ شاہ بھٹائی کے مرشد حیات المیر قادریؒ تھے۔ اختلاف ان امور میں ہے کہ حیات المیر کا اصل [illegible]

حضرت غوث اعظمؒ تک ان کے پیرانِ طریقت کون تھے۔
روایتوں کی کڑی سے کڑی ملانے کے بعد ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ مولانا شیخ کریم الدین باباحسن
ابدالیؒ اپنی وفات کے بعد سخی زندہ پیر حیات المیر کے
عرف سے معروف ہوئے۔

(و) تذکرہ غوثیہ کی روایت۔

صوفیائے کرام کے تذکروں میں تذکرۂ غوثیہ (۱۳۰۱ھ)
ایک دلچسپ کتاب ہے۔ اس کے مصنّف مولوی گل حسن شاہ نے
راولپنڈی میں تعلیم پائی۔ اس کی دلچسپ عبارت مشہور شاعر مولوی اسمٰعیل
میرٹھی کی مرہونِ منّت ہے۔ اس تذکرے میں حضرت محمّد غوث علی
شاہ پانی پتی قادریؒ (۱۸۰۴ء - ۱۸۸۰ء) کا جو شجرہ طریقت
درج ہے۔ اس میں غوثِ اعظم تک مندرجہ ذیل اکیس نام ہیں۔
ساتویں نمبر پر شاہ لطیف برّی کا نام ہے:

۱۔ حضرت غوث علی شاہ قلندری
۲۔ حضرت سید اعظم علی شاہ باریردی
۳۔ حضرت مدح شاہ منداوی
۴۔ حضرت شیخ عبداللطیف ثانی کیرتپوری۔

۵۔ حضرت شاہ احمد کبیر تپوری
۶۔ حضرت شیخ درویش محمدؒ
۷۔ حضرت عبداللطیف برّی
۸۔ حضرت شاہ امیر بالا پیر
۹ حضرت مقیم محکم الدّین حجروی
۱۰۔ حضرت ابوالمعالی (صاحبِ تحفۃ القادریہ اسی نام کے ایک اور بزرگ ہیں)
۱۱۔ حضرت بھاول شیر قلندر
۱۲۔ حضرت عبدالجلال
۱۳۔ حضرت محمود شاہ
۱۴۔ حضرت نور محمدؒ
۱۵۔ حضرت علاوالدین
۱۶۔ حضرت شمس الدّین
۱۷۔ حضرت شہاب الدّین
۱۸۔ حضرت شاہ احمد
۱۹۔ حضرت ابوصالح
۲۰۔ حضرت عبدالرزاق

۲۱۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

ان میں سے ۷ سے ۱۱ تک نام دئیے ہوئے منظوم شجرے

کی ان دو ابیات میں ہیں ؎

بوالمعالی است رہنمائے یقین بازحضرت مقیم محکم دین

بعد سید امیر بالا پیر

راعبداللطیف تیزی گیر

تذکرہ غوثیہ کے تین سال بعد ۱۳۰۴ھ (۸۷-۱۸۸۶ء)

میں حافظ امداد حسین نے محمدؐ غوث علی شاہ پانی پتیؒ کے حالات زندگی پرمشتمل ایک کتاب "خطبہ حقائق الٰہی موسوم بہ ریاض الفقر معروف بہ دفترِ حقیقت" مطبع شگوفہ فیض سے طبع کرائی، اس کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں ہے، اس کے صفحہ ۹ پر یہی شجرہ طریقت دیا ہوا ہے۔

حضرت مقیم محکم الدین مجرویؒ کی فارسی تصنیف "درالنجاب" کا اردو ترجمہ حال ہی میں سجادہ نشین صاحب کی اجازت سے شائع کیا گیا ہے، مترجم حق نواز خان نے دیباچے میں اس خانوادے

تذکرہ غوثیہ ص ۲۱

کے حالات لکھے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ شاہ محمد مقیم محکم الدین مجروحؒ کے بڑے فرزند صفی اللہ سیف الرحمٰن کے انتقال کے بعد حضرت مجروحؒ کے چھوٹے بیٹے شاہ امیر بالا پیرؒ نے چھتیس سال تک مسندِ سجادگی کو زینت بخشنے کے بعد ۲۷ جمادی الثانی ۱۱۰۲ھ (۱۶۹۰ء) کو رحلت کی اور موضع حجرہ میں دفن ہوئے۔

سالِ رحلت شاعرِ بیشیہ گفت
عارف حق بود سید شاہ امیر

شاہ لطیف برّیؒ کی وفات ۱۱۱۷ھ (۱۷۰۵ء) میں ہوئی۔ اس لئے اس روایت میں بظاہر کوئی سقم نہیں معلوم ہوتا کہ آپ نے شاہ امیر بالا پیرؒ متوفی ۱۱۰۲ھ سے بھی فیض پایا۔ مگر تذکرہ غوثیہ کے سنِ اشاعت ۱۳۰۱ھ سے پہلے کی کوئی روایت اس کی توثیق نہیں کرتی۔ شاہ لطیف برّیؒ کے جو شجرہ ہائے طریقت

ہ۔ تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان مطبوعہ ملک سراج الدین اینڈ سنز، لاہور ۱۹۸۲ء، ص ۲۱۲۔ پہلے یہ کتاب "اولیائے ہند" کے نام سے اجمل پرنٹنگ ورکس دہلی میں شائع ہوا تھا۔

طبع ہو چکے ہیں ان میں شاہ امیر بالا پیر کا نام نہیں آتا نہ ہی اس سلسلہ کے فقراء اور متوسلین میں سے کوئی شاہ بری کا شاہ امیر بالا پیر سے کسی قسم کا تعلق بتاتا ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ تذکرہ غوثیہ میں حضرت امیر بالا پیر کے خلیفہ کا نام "عبداللطیف بری" لکھا ہوا ہے، حالانکہ اس تذکرے سے پہلے نہ آپ کے ہمعصروں نے، نہ بعد کے لکھنے والوں نے، آپ کا پورا نام "عبداللطیف" بتایا۔ ہر جگہ یہاں تک سرکاری پورڈلو اور کاغذات مال میں آپ کا نام "کریمی" "لطیف" مع القاب کے پایا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تذکرہ غوثیہ میں "بری" سہوِ قلم ہو کیونکہ مرزا محمد اختر دہلوی نے شاہ امیر بالا پیر کے خلیفہ کا نام سید عبداللطیف تبری (ت۔ ب۔ ر۔ ی) لکھا ہے۔ قریب قریب اسی عہد میں ایک بزرگ عبداللطیف برکی بھی تھے، تمام زبانی روایات اور تحریروں کو پیشِ نظر رکھ کر ہمیں یہ تسلیم کرنے میں تامل ہے کہ شاہ لطیف بریؒ حضرت شاہ امیر بالا پیرؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔

(ب) فقرائے بری امام کی روایات

فقرائے بری امام میں سے ہر ایک سخی زندہ پیر حیات المیر کو شاہ لطیف بری کا مرشد بتاتا ہے۔

خطیبِ نورپور شاہاں مولانا محمد قاسم شلوراجوروی قادری لکھتے ہیں :

"مزار برّی امام سے مغرب کی جانب تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر حضرت برّی امام کے پیرومرشد حضرت سخی حیات المیر کی ایک خوبصورت بیٹھک ہے۔ اس کو چلّہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ ایک گنبد نما شکل میں تیار کی گئی ہے۔ اردگرد ایک چاردیواری ہے۔ درمیان میں ایک پختہ فرش اور آگ جلانے کا مچ بھی تعمیر کیا ہُوا ہے۔ مشہور ہے کہ اسی مقام کے قریب ایک پتھر پر حضرت برّی امام نے حضرت حیات المیر زندہ پیر کی بیعت حاصل کی تھی۔ وہ پتھر بھی بوہڑ کے ایک بہت بڑے درخت کے نیچے آج تک محفوظ ہے۔ اس کے اردگرد اس سال ناچیز کاتب الحروف نے ایک چار دیواری تیار کروائی ہے اور اس جگہ کو خوبصورت اور مضبوط بنا دیا گیا ہے۔ لوگ شادی وغیرہ کے موقع پر پہلے اس جگہ پر حاضر ہوتے [illegible]

دربار بری امام کی حاضری دیتے ہیں ؎

بابا منشانے مشہدی اوورسیر کنٹونمنٹ بورڈ راولپنڈی نے اپنے کتابچہ "وظائف کتاب" (؟) میں بری امام کا حسب ذیل شجرہ طریقت دیا ہے:

۱۔ پاک لطیف
۲۔ زندہ حیات المیر نوری پیر
۳۔ سید منور عرشی
۴۔ سائیں سید بلغاری
۵۔ سائیں مظفر گوکیانی
۶۔ سید عبدالرزاق پاک تاج
۷۔ دستگیر

آغا گوہر علی شاہ سلسلہ بریہ کی ایک ممتاز شخصیت ہیں اور پشاور کی ڈالی کے مہتمم ہیں۔ آپ نے اپنا شجرہ طریقت شائع کرایا اس میں بری امام سے حضرت غوث اعظم تک مندرجہ ذیل آٹھ نام ہیں:

؎ حیات بری امام۔ راولپنڈی ۱۹۵۵ ص ۱۰ - ۱۱ بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

۱۔ حضرت پیر سیدؒ شاہ عبداللطیف بری امام

۲۔ حضرت پیر حیات المیر شاہؒ

۳۔ حضرت آقا پیر سید مظفر شاہ

۴۔ حضرت آقا سید پیر منور شاہ ارزانیؒ

۵۔ حضرت آقا پیر سید عبداللہ شاہ بلغاریؒ

۶۔ حضرت آقا پیر سید عبدالرزاقؒ

۷۔ حضرت آقا پیر سخی احمد کوثری

۸۔ حضرت سلطان الاولیا حضور غوث الثقلین قدس اللہ سرہ العزیز

غلام حسین شاہ بخاری متوفی ۱۸۹۴ء فرماتے بری امام کی شاخ شاہ حسینی کے سربراہ اور نمبردار نور پور شاہاں تھے۔ لکھتے ہیں

اس وقت شاہ لطیف بری نے اپنا سر مرشد کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت سخی حیات المیر نے قبول اور منظور فرمایا۔ اس کے بعد سخی حیات المیر زندہ پیر چلاّ اور خدائے عزوجل کی وحدانیت کے لئے حسن ابدال چلے گئے اور بڑے پہاڑ پر چلہ کشی کی

ٹ شجرہ، شجرہ عالیہ، قادریہ [illegible]

اور گرد و نواح میں چند ضربوں سے تیز پانی کے چشمے بہا دئیے۔ آپ نے پتھر پر ہاتھ مارا جو اس میں پیوست ہوگیا۔ حیات المیر زندہ پیر کی یہ کرامت سب جگہ مشہور ہے آپ ہر صورت اور ہر رنگ میں موجود ہیں۔ خواجگان زندہ میں شمار ہوتے ہیں دُنیا میں خورد و کلاں کی نظروں سے غائب ہیں۔ عارفان با اللہ کے نزدیک موجود ہیں کیونکہ مخلوقات کی نظر میں جو چیز بھی غائب و پوشیدہ و مرحوم ہیں۔ عارفان با اللہ کی نظر میں زندہ

- راولپنڈی سے اٹھائیس میل کے فاصلے پر پشاور کی طرف شاہراہ اعظم پر قصبہ حسن ابدال (ضلع کیمبل پور) ہے۔ یہ قصبہ حضرت بابا حسن ابدال معروف بہ۔ بابا ولی قندھاریؒ کے نام پر آباد ہوا۔ یہاں "گوردوارہ پنجہ صاحب" میں ایک بہت بڑے پتھر پر ایک ہاتھ کھدا ہوا ہے۔ سکھ روایت ہے کہ بابا ولی قندھاری نے بابا نانک پر پہاڑ کی چوٹی سے ایک چٹان پھینک ماری جو انھوں نے [illegible] روک لی اس پر پنجے کا نشان پڑ گیا۔ بیرن چارلس ہیوگل (صفحہ [illegible])

ہے۔ ان اولیاء اللہ لا یموتون"

قطع نظر چشموں اور پنجے کی روایت کے جونکہ روایت کے نوٹ میں اہل حسن ابدال نے گھڑی ہو گی غلام حسین شاہ بخاری کے بیان کا یہ حصہ قابل غور ہے کہ بڑی امام کے مرشد حیات المیر کا تعلق قصبہ حسن ابدال سے تھا۔

(بقایا حاشیہ ص ۹۵)

(۱۸۲۵ء)، رپورٹ بندوبست ضلع راولپنڈی (۱۸۸۵ء) اور اٹک ڈسٹرکٹ گزیٹیر میں اس نشانی کو ابھرا ہوا بتایا گیا ہے۔ لیکن اب پتھر کے اندر کھدا ہوا ہے۔ کئی معززین قصبہ نے، جن میں راسخ العقیدہ سکھ بھی تھے، ۱۸۸۳ء کے راولپنڈی ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے مرتب کو بتایا کہ ایک مسلم معمار مسمی کما نے بطور شغل چٹان پر ایک پنجہ تراشا تھا۔ رنجیت سنگھ کے عہد حکومت میں سکھوں نے حسب معمول اس قصبے پر دھاوا بولا تو ایک فقیر مسمی نابو کے سوا سب باشندے بھاگ گئے۔ سکھ اسے جان سے مارنے لگے تو اس نے اپنے آپ کو بابا نانک کا سیوک بتایا اور جان بچانے کیلئے پنجے کا افسانہ گھڑ کے پتھر میں یہ نشان دکھا دیا۔ واضح رہے کہ بابا ولی قندھاری کا انتقال ۸۲۶ھ اور ۱۳۲۷ء کے [illegible]

ج۔ حیات المیر کون تھے

فقرائے بڑی امام کی تمام روایات سنی زندہ پیر حیات المیر کا تعلق قصبہ حسن ابدال سے بتاتی ہیں ۔ ان کے برخلاف ایک سلسلہ روایات انہیں غوث الاعظمؒ کا پوتا قرار دیتا ہے۔ ہم ایسی تمام روایات کو یہاں تاریخی ترتیب سے نقل کرتے ہیں ۔

ا۔ پادری جان اے سُبحان ۱۹۶۰ء

" بہلول شاہ (قادری سلسلے کی دوسری شاخ) : اس شاخ کے بانی بہلول شاہ دریائی تھے ۔ جو شاہ لطیف بری کے مرید تھے ۔ کہا جاتا ہے کہ آخرالذکر کے پیر حیات المیر اب سے کوئی تین سو سال پیشتر عبدالقادر کے مرید ہو گئے تھے ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہیں حیات

ہے اور بابا نانک کی پیدائش ۱۴۶۹ء میں ہوئی ۔ بابا ولی قندھاریؒ کا مزار قندھار سے پانچ میل شمال مغرب ۶۵ درجہ ۴۰ دقیقہ ۵ ثانیہ شرقی اور ۳۱ درجہ ۲۹ دقیقہ ۳۲ ثانیہ شمالی پر موضع بابا ولی میں واقع ہے ۔

ا اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور مقالہ حسن ابدال)

۲ حالات شاہ لطیف برّے (قلمی)

جاودانی ملی جس کی وجہ سے اُنھیں زندہ پیر کہا جاتا ہے۔[۱]

۲- رفیق جاوید ۱۹۵۵ء

رفیق جاوید سابق چیف ایڈیٹر شہباز پشاور لکھتے ہیں: "آپ (شاہ لطیف برّی) کے مرشد سخی حیات المیرؒ، جو غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؓ کے پوتے تھے، تشریف لائے۔"[۲]

۳- ایچ۔ اے۔ روز ۱۹۱۱ء

انڈین سول سروس کے ایچ۔ اے روز ۱۸۸۳ء اور ۱۸۹۱ء کی اِبٹسن اور میک لیگن کی مردم شماری کی رپورٹوں کے حوالے سے لکھتے ہیں: "یہ میلہ شاہ لطیف برّی یا برّی سلطان کے اعزاز میں منعقد کیا جاتا ہے جنھیں سید حیات النور کا مرید بتایا جاتا ہے۔"[۳] یہاں حیاتُ النور ٹائپ کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

---

[۱] صوفی اِزم۔ اٹس سینٹس اینڈ شرائنز۔ لکھنؤ ص ۲۶۹۔

[۲] حضرت امام بری ص ۶۴

[۳] اے گلاسری آف ٹرائبز ص ۱۲

۴۔ شیخ محمد اکرم صابری براسوی

یہ مصنف شاہ ابو المعالی کی "تحفۃ القادریہ" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

یکے از فرزندان حضرت سید	حضرت سید عبد الرزاق بن شیخ
عبد الرزاق بن شیخ عبد القادر	عبد القادر جیلانیؒ کے ایک فرزند
جیلانیؒ دریں زمانہ حاضر است	اس زمانے میں موجود ہیں
شیخ جمال نام شبیہ الحق است[۱]	شیخ جمال نام شبیہ الحق

ہیں۔

۵۔ مفتی غلام سرور ۱۲۸۴ء

مفتی غلام سرور لاہوری پہلے مصنف ہیں جنہوں نے پہلی مرتبہ حیات المیر کا نام شیخ جمال اللہ لکھا۔ وہ لکھتے ہیں۔

(ل) "شیخ بہلول شاہ لطیف بری قادری کے مرید اور خلیفہ تھے اور انھوں نے نعمت ولایت حضرت جمال اللہ مشہور بہ حیات المیر سے پائی جو زندہ جاوید ہیں۔

۱؎ اقتباس الانوار ص ۸۷

شیخ بہلول کو بھی ایک دفعہ حضرت جمال اللہ حیات المیر کا شرفِ زیارت ہُوا اور ان سے خرقۂ تبرک بھی پایا ہے۔ حضرت شاہ لطیف برّی نے اس خاندان اعظیمہ قادریہ کے علاوہ سلسلۂ سہروردیہ میں شیخ نصیر الدین قریشی سے فوائد عظیم حاصل کیے۔ چنانچہ صاحبِ معارج الولایت نے شیخ بہلول اور شاہ لطیف کو سہروردیہ مشائخ میں شمار کیا ہے حقیقت الفقرا سے منقول ہے کہ جب شاہ برّی قدس سرہٗ کا انتقال ہو گیا تو شاہ بہلول مقامِ ولایت کے بعض عُقدوں کے حل کیلئے دو سال تک نجف اشرف میں شیرِ خدا علی المرتضیٰؓ کے روضے پر معتکف رہے۔

(ب) کتاب انیس القادریہ میں بروایت شیخ ابو المعالی صاحبِ تحفۃ القادریہ منقول ہے کہ حق تعالےٰ نے شیخ تاج الدین عبدالرزاق کو پانچ فرزند عطا کیے:۔ شیخ ابو صالح، شیخ ابو القاسم عبدالرحیم، شیخ ابو محمد اسمٰعیل، شیخ ابو المحاسن عبداللہ اور شیخ جمال اللہ قدس سرہم العزیز۔ ان میں سے شیخ جمال اللہ صورت و حسنِ جمال میں حضرت غوث الاعظمؓ سے بہت متشابہ تھے اور حضرت غوث الاعظم کو آپ

ے خزینۃ الاصفیا مطبع لاہور [illegible] ۱۲۸۲ھ ص ۱۲۷

سے دلی محبت اور رغبت تھی۔ چنانچہ آنجناب کی دعا سے شیخ جمال اللہ کو عمر دائمی نصیب ہوئی۔ وہ ابتک زندہ ہیں اور حیات المیر کے نام سے معروف ہیں ان کی سکونت اکثر سمرقند وغیرہ میں ہوتی ہے اور سید مقیم صاحب حجرہ وغیرہ بہت سے اولیاء اللہ ان کے مریدوں میں سے ہیں[۱]"

۶۔ مولوی نور احمد چشتی ۱۸۶۴ء

یہ مصنف شاہ ابو المعالی کی تصنیف تحفۃ القادریہ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

سید عبدالوہاب خلف پیر دستگیر غوث اعظم کے پانچ فرزند تھے۔ ان میں سے ایک میں سید جمال اللہ صاحب جن کو حیات المیر بھی کہتے ہیں، پیدا ہوئے[۲]"

۷۔ شاہ ابو المعالی متوفی ۱۶۱۵ء

"اس فقیر کو بعض فضلا کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ شیخ عبدالرزاق

۱۔ خزینۃ الاصفیا۔ لاہور ص ۱۰۲

۲۔ تحقیقات چشتیہ۔ لاہور ص ۳۶۱

کے فرزندوں سے ایک اس زمانہ میں موجود ہے جس کا نام شیخ جمال اللہ ہے اور شکل و شباہت میں اپنے جدِ امجد شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ سے ملتا جلتا ہے۔ اور اکثر بسطام کے جنگلوں میں زندگی بسر کرتا ہے اور وہ عزیز جس کو ان کی صحبت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ روایت کرتا ہے کہ میں نے ایک دفعہ ان کے حضور میں عرض کی کہ انسان کامل موت اور زندگی میں مجبور ہوتا ہے۔ کیا آپکو معلوم ہے کہ آپ کی عمر کتنی ہو گی تو آپ نے فرمایا یقینی طور پر تو مجھے معلوم نہیں لیکن ہاں اتنا جانتا ہوں کہ جس وقت بابائے کلاں یعنی میرے جدِ امجد شیخ محی الدین عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ سماع میں گرم تھے تو مجھے گود میں لے کر فرماتے تھے کہ اے جمال اللہ میرے بھائی عیسیٰ علیہ السلام کو میرا سلام پہنچانا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھو نگا اور وہ سلام جو میرے پاس بطور امانت ہے، اس کو پہنچاؤنگا۔[1]

اس سلسلہ روایات کا جائزہ

گذشتہ صفحات میں ہم نے جو سات اقتباس کیے ہیں ان میں

---

[1] تحفہ القادریہ [illegible]

پڑھ کر ایک عام قاری الجھن میں پڑ جائے گا اور تاریخ داں اُنھیں عقیدت مندی کے طاق نسیاں میں رکھنے کا مشورہ دیں گے۔ مگر جس طبقے میں یہ کتاب زیادہ پڑھی جائے گی وہاں تاریخی استدلال بے معنی ہے۔ انکی تسلی صرف نقلی دلیلیں کر سکتی ہیں ان روایات میں دو باتیں قابلِ غور ہیں (اوّل) بہلول شاہ دریائی شاہ لطیف برّی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ (دوم) شاہ برّی لطیف شیخ جمال اللہ معروف بہ حیات المیر بن شیخ عبدالرزاق یا شیخ عبدالوہاب بن غوث اعظم عبدالقادر جیلانیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔

ان دونوں روایات کے اولیں راوی مفتی غلام سرور لاہوری ہیں۔ بعد کے لکھنے والے انہی کے خوشہ چیں معلوم ہوتے ہیں مفتی موصوف نے جو باتیں بے حوالہ لکھی ہیں ان کی تائید اور کسی ماخذ سے نہیں ہوتی اور جن باتوں کا حوالہ دیا ہے وہ (انکی کتب حوالہ میں نہیں) ملتیں۔

مفتی غلام سرور لاہوری نے شیخ بہلول دریائی کو شاہ لطیف برّی کا مرید اور خلیفہ بتانے کے بعد معارج الولایت کے حوالے سے لکھا ہے کہ شیخ بہلول اور شاہ لطیف مشائخ سہروردیہ میں سے تھے۔ مولانا عبداللہ خویشگی کی تصنیف معارج الولایت کا خطّی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعہ شیرانی کے نمبر ۱۲۷ پر ہے داخلہ نمبر ۱۰۲۸ ہے، اس میں کہیں بھی شاہ لطیف برّی کا نام

ہیں۔ سہروردی سلسلے کے شاہ لطیف ایک اور بزرگ تھے۔ اس
نسخے کی تاریخ کتابت ۲۴ رجب ۱۰۴۴ھ (۳ جنوری ۱۶۳۵ء) ہے۔
اس وقت قمری اعتبار سے شاہ لطیف بری کی عمر زیادہ سے زیادہ
اٹھارہ سال تھی۔ معارج کا سال تصنیف ۱۰۹۶ھ ہے۔ مصنف کو دھوکہ ہوا
محمد اقبال مجددی

مفتی غلام سرور نے حقیقت الفقرا کے ایک حوالے سے
لکھا ہے کہ شاہ لطیف بری کے انتقال کے بعد شیخ بہلول دو سال کے
کیلئے نجف چلے گئے۔ شیخ محمود معروف بہ محمد پیر کی کتاب حقیقت
الفقرا کا سن تصنیف ۱۰۷۱ھ ہے۔ اس میں شاہ لطیف بری کا کہیں
نام نہیں۔ بری امام کا انتقال اس کتاب کی تصنیف کے چھیالیس
سال بعد ہوا۔ اس لئے اس میں ان کے انتقال کے بعد کے حالات
کی تلاش بے سود ہے۔ حقیقت الفقرا کا ایک خطی نسخہ پنجاب یونیورسٹی
لائبریری کے مجموعہ شیرانی کے نمبر ۲۴۸ پہ ہے۔ ۱۹۶۶ء میں مجلس شاہ
حسین لاہور نے اسے پہلی مرتبہ شائع کرایا۔ شیخ محمود مصنف لکھتے ہیں
کہ شاہ بہلول نے ایک قادری مجذوب سے فیض پایا
پنج شیر (ایران) کے ایک غار میں رہتے تھے۔ شیخ بہلول نے ان کا
نام کسی کو نہیں بتایا۔ ہم انہیں شیخ ہی کہتے ہیں:
نام مجذوب شیخ واندیس

اس سلسلہ میں صاحب تذکرہ اولیائے ہند کا مندرجہ بیان بھی قابلِ غور ہے۔

"بعض فقیر بہلول شاہی سہروردی ہیں۔ وہ اپنا سلسلہ اس طرح ملاتے ہیں کہ بہلول دریائی مرید شاہ لطیف اللہ کے وہ مرید شیخ نصرالدین سہروردی کے۔ اور جو خاندان قادریہ سے نسبت کرتے ہیں وہ اپنا سلسلہ اس طرح ملاتے ہیں کہ شاہ بہلول مرید شاہ لطف اللہ برکی (ب۔ ر۔ ک۔ ی) کے وہ مرید جمال اللہ حیات المیر زندہ جاوید کے اور وہ مرید حضرت غوث الاعظم کے"۔[۱]

مفتی غلام سرور نے جہاں شیخ بہلول کو شاہ لطیف برکی کا مرید بتایا ہے۔ شیخ بہلول کا سنِ وفات ۹۸۳ھ لکھا

---

[۱] مرزا محمد اختر دہلوی: تذکرہ اولیائے ہند۔ دہلی ۳: ۲۵-لاہور ایڈیشن ص ۲۴۹

ہے۔ اور زیر نظر کتاب میں ایک اور جگہ ہم بتا چکے ہیں کہ شاہ لطیف بری کا سنِ پیدائش ۱۰۲۶ھ ہے لہٰذا شیخ بہلول شاہ بری کے مرید نہیں ہو سکتے۔

اب ہم مفتی غلام سرور کے بیان کے اس حصے کو لیتے ہیں کہ شاہ لطیف بری شیخ جمال اللہ معروف بہ حیات المیر کے مرید تھے اس سلسلہ میں فاضل مصنف نے معارج الولایت اور حقیقت الفقرا کے حوالے دیئے مگر ان دونوں کتابوں میں شاہ لطیف بری کا نام نہیں ہے۔

ہمیں یہ تسلیم کرنے میں تامل ہے کہ شیخ عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے کسی فرزند کا نام شیخ جمال اللہ تھا۔ اگر یہ درست بھی ہو تو ان کا عرف حیات المیر مفتی موصوف کے کسی حوالے سے ثابت نہیں۔ مفتی غلام سرور لکھتے ہیں کہ کتاب انیس القادریہ میں بروایت شیخ ابوالمعالی صاحب تحفۃ القادریہ یہ منقول ہے کہ شیخ عبدالرزاق کے ایک فرزند شیخ جمال اللہ تھے وہ حیات المیر کے نام سے معروف

لے خزینۃ الاصفیاء۔ لاہور ۱۲۸۴ھ ص ۱۲۲۔ نولکشور کانپور ۱۹۱۴ء ایڈیشن ۱ : ۱۳۱

میں انیس القادریہ نام کی کئی کتابیں لکھی گئی ہیں، ایک انیس القادریہ کا خطی نسخہ بہاولپور لائبریری میں ہے، ایک دوسری انیس القادریہ کا خطی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہے۔ دونوں میں حیات المیر کا ذکر نہیں اور نہ ہی شیخ ابوالمعالی کی کتاب "تحفۃ القادریہ" میں شیخ جمال اللہ کا یہ عرف آیا ہے۔

(د) کیا باباحسن ابدالی حیات المیر تھے

شاہ لطیف بری کے اوّلیں سوانح نگار غلام حسین شاہ بخاری متوفی ۱۸۹۴ء نے امام برّی کے مرشد کا نام یا عرف حیات المیر لکھا ان مرشد کا تعلق قصبہ حسن ابدال سے بتایا ہے۔ اب بھی فقرائے برّی امام دوسرے عقیدت مند تواتر سے پہنچی ہوئی اس روایت پر یقین رکھتے ہیں لہٰذا ہمیں سخی زندہ پیر حیات المیر کو حسن ابدال میں تلاش کرنا چاہیے

حضرت باباحسن ابدال معروف بہ باباولی قندھاری سخی زندہ پیر حیات المیر نہیں ہوسکتے کیونکہ ولی قندھاریؒ کا انتقال شاہ لطیف بریؒ کی پیدائش سے کوئی پونے دوسو سال پہلے ہوچکا تھا۔ ان بزرگ کے نام پر قصبہ حسن ابدال کا نام پڑا۔ ان کا مزار قندھار کے نزدیک موضع باباولی میں ہے۔ سنگِ مزار پر تائیس سطروں میں ان کے

لکھے ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وفات ۱۴۲۰ اور ۱۴۴۷ء میں ہوئی۔

جہاں تک ہمارے مطالعہ کا تعلق پہلا مصنّف جس نے شاہ لطیف برّی کے میلے کا ذکر کیا ہے قدیم دِلّی کالج کے تعلیم یافتہ منشی شہامت علی ہیں منشی موصوف یکم مارچ ۱۸۳۸ء کو راولپنڈی آئے وہ ۴ مارچ کو حسن ابدال میں تھے۔ یہ رنجیت سنگھ کا عہدِ حکومت تھا یہ اوّلین مصنف ہیں جن کی تحریر میں حیات المیر کا ذکر آتا ہے وہ روایت کرتے ہیں۔

"روایت ہے کہ جہانگیر کشمیر اور کابل کی آب و ہوا کو بہت ہی پسند کرتا تھا۔ وہ حسن ابدال ہوتے ہوئے ان مقامات پر کئی دفعہ گیا۔ یہاں (حسن ابدال میں) ایک فقیر بھی رہتا تھا جس کا نام حیات المیر تھا۔ اس کا جہانگیر بڑا ہی احترام کرتا تھا۔ اس جگہ کے سایہ دار حسن کے علاوہ اس فقیر کی موجودگی بھی شاہنشاہ کو یہاں کئی کئی دن قیام کرنے کی ترغیب دیتی تھی۔"[1]

---

[1] شہامت علی: دی سکھس اینڈ دی افغانز لنڈن ۱۸۴۷ء ص ۵۰

یہ معلوم کرنا آسان ہے کہ عہدِ جہانگیری میں قصبہ حسن ابدال میں یہ واجب الاحترام درویش کون تھے۔ کم از کم دو ہمعصروں کی معتبر تحریریں بتاتی ہیں کہ یہ درویش حضرت احمد فاروقی مجدد الف ثانیؒ کے خلیفہ مولانا شیخ کریم الدّین بابا حسن ابدالی تھے بابا حسن ابدالی ہیں یائے نسبتی سے مراد قصبہ حسن ابدال کے رہنے والے ہیں۔ اُنھیں بابا حسن ابدال معروف بہ بابا ولی قندھاریؒ سے غلط ملط نہیں کرنا چاہیئے حضرت بابا حسن ابدالی (شہزادہ خرّم (جو بعد میں شاہجہان کے لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا کے پیر بھائی بھی تھے جب حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے گوشہ نشینی اختیار فرمائی تو صرف بابا حسن ابدالی اور چند مخصوص حضرات کو ہی تخلیئے میں آنے کی اجازت تھی۔ آپ کی وجہ سے اس علاقے میں سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ نے فروغ پایا لیکن آپ جسے بھی اس سلسلے میں بیعت فرماتے اسے نسبت قادریہ خود بخود حاصل ہو جاتی۔ آپ کے تفصیلی حالاتِ زندگی حضرت مجدّد الف ثانی کے دو اور خلفاء اور آپکے پیر بھائی حضرت بدرالدّین سہرندیؒ[1]

---

[1] آپ نے ۱۰۴۹ھ میں ایک کتاب حضرات القدس (بقیہ اگلا صفحہ ملاحظہ ہو)

اور حضرت محمد ہاشم کشمیؒ نے لکھے ہیں اور بعد کی ہر اس کتاب میں مل سکتے ہیں جس میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلفا کا ذکر ہے۔
بابا حسن ابدالیؒ کا انتقال ۲ محرم ۱۰۵۰ھ (۱۵ اپریل ۱۶۴۰ء) کو ہوا۔ ہم نے اپنی تالیف "تاریخ حسن ابدال (منتظر اشاعت) میں بہ دلائل ثابت کیا ہے کہ قصبہ حسن ابدال میں پہاڑی کے دامن میں چشموں کے قریب مربع چار دیواری میں جو اونچی قبر ہے، وہ بابا حسن ابدالیؒ کی ہے۔ اسے ۱۹۱۹ء میں غلطی سے لالہ رخ کا مزار مشہور کر دیا گیا۔ بابا حسن ابدالیؒ کے انتقال کے وقت حضرت برّی امام کی عمر چوبیس سال کی تھی اور یہ ثابت ہے کہ اس عمر کو پہنچے

تحریر فرمائی۔ اصل کتاب آج تک طبع نہیں ہو سکی خواجہ احمد حسین خان نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے جسے ۱۳۴۱ھ میں اللہ والوں کی قومی دکان کشمیری بازار لاہور نے دو جلدوں میں شائع کیا۔ پہلے حصے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ سے پہلے کے تمام بزرگانِ سلسلہ نقشبندیہ کے سوانح ہے اور دوسرے حصے میں حضرت مجددؒ اور ان کے خلفا کے حالات ہیں۔ دوسرے حصے کے ۳۲۵ سے ۳۲۲ صفحات پر شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالیؒ کے سوانح ہیں۔ بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

سے پہلے ہی آپ حسن ابدالی مرید ہو گئے تھے۔ کڑی سے کڑی ملانے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تری امام نے اوائل نوجوانی میں نسبتِ قادریہ حضرت باباحسن ابدالی سے پائی اور یہی بزرگ بعد میں سخی زندہ پیر حیات المیر کے عرف سے معروف ہوئے۔

؎ ۔ آپکی تصنیف زبدۃ المقامات معروف بہ برکات الاحمدیہ محمود پریس لکھنؤ سے ۱۳۰۲ھ میں شائع ہوئی۔ اس کے صفحات ۳۸۵ سے ۳۸۸ تک بابا حسن ابدالیؒ کے سوانح ہیں۔ اس کا اُردو ترجمہ اللہ والوں کی قومی دکان کشمیری بازار لاہور نے طبع کرایا جس کے ۳۷۴ سے ۳۷۶ تک صفحات پر باباحسن ابدالیؒ کے حالات زندگی ہیں۔

؎ مثلاً ملاحظہ ہو" روضۃ القیومیہ" مصنفہ کمال الدین محمد احسان بن حسن احمد بن محمد ہادی بن محمد عبیداللہ بن محمد معصوم بن مجدد الف ثانی کا اُردو ترجمہ مطبوعہ اللہ والوں کی قومی دکان لاہور ۱۳۳۵ھ۔ رکن اول ص ۲۷۱

باب ۵

چار طالب!

شاہ لطیف بڑی سلسلۂ قادریہ میں مرید اور مجاز تھے آپ کے اوّلیں سوانح نگار غلام حسین شاہ بخاری نے آپ کے سیکڑوں مریدوں کا ذکر کیا ہے ۔ مگر کسی ایسے مرید کا ذکر نہیں کیا جسے آپ نے خلیفہ مجاز بنایا ہو۔

جب عالم جذب میں چلے گئے اور ظاہری طور پر ہوش و حواس میں نہ رہے تو پیروں مریدوں کا سلسلہ از خود ختم ہو گیا۔ صوفیا کے ہاں مجذوب کا مرید بننا جائز نہیں ۔ آپ

سے زیادہ عرصہ تک عالم جذب میں رہ کر وفات پاگئے۔ اس زمانے میں آپ اور بھی زیادہ مرجع خلائق ہو گئے، اس حالت میں آپ کی خدمت اور دیکھ بھال میں چار افراد مختار ہوئے، یہی آپ کے ترکے کے وارث ہوئے اور انہی سے امام بری کے معتقدین منسلک ہو گئے۔

دستور العمل خانقاہ شاہ لطیف بری (۱۲ ستمبر ۱۸۵۹ء) میں ان چار خدمتگاروں کو طالب لکھا ہے۔ اور ان کے نام مٹھا شاہ دبنگ شاہ، عنایت شاہ اور شاہ حسین بتائے ہیں۔ اسی سن کی ایک اور تحریر میں ان چاروں کو خادم لکھا ہے معتبر تحریروں اور کاغذات مال میں آپ کے خادموں کے یہی نام ہیں۔ دستور العمل لکھے جانے کے بیس پچیس سال بعد غلام حسین شاہ بخاری متوفی ۱۸۹۴ء نے روڈو سلطان قوم گکھڑ ساکن بھیروالہ (دھریالہ)، شاہ سائیں قوم گکھڑ ساکن جہلم، شاہ عنایت بخاری اور شاہ حسین کو آپ کا خادم بتایا ہے حالانکہ دستور العمل تیار کرنیوالوں اور اس پر نشان تصدیق ثبت کرنیوالے فقرا میں غلام حسین شاہ بخاری بھی تھے۔

ضمیمہ ۴

"چار خادم جوان کے اس وقت ہوئے اور ان کے نام سے چار ڈیرہ مشہور ہیں دونگ شاہی، شاہ حسینی، عنایت شاہی۔ اور مٹھا شاہی ۔ یہ چاروں پتیاں یا لڑیاں اب تک موجود ہیں۔

مٹھا شاہی

بقولِ غلام حسین شاہ بخاری مٹھا شاہ موضع بڑ کے رہنے والے تھے۔ یہ موضع اب اسلام آباد میں کھو گیا ہے۔ مٹھا شاہ کی قبر بری امام کے مزار سے مغرب میں چند گز کے فاصلے پر سڑک پار ایک احاطے میں ہے، اس احاطے کا رقبہ ایک کنال ہے۔ اس میں اکتالیس قبریں ہیں۔ جن میں سب سے ممتاز قبر شاہ حسین کی ہے۔ ۱۹۵۴ء میں مٹھا شاہ کی قبر کو پختہ کرا کے حسبِ ذیل چھوٹا سا کتبہ اس پر نصب کر لیا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مزار شریف

"شجرہ نسب مالکانِ اراضی نور پور شاہاں ۱۸۵۹ء ضمیمہ ۳

حضرت سخی میٹھے شاہ رحمتہ اللہ علیہ

تاریخ تعمیر

۱۹ ر جمادی الثانی ۱۲۷۲ھ بروز جمعرات

ازیادکردہ سائیں سخی محمد"

آپکو دوسرے طالبین پر یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ شاہ لطیف بری کے خلیفہ اور سجادہ نشین تھے، آپ سے جو سلسلہ چلا اسے مٹھا شاہی کہتے ہیں۔ ابتک خلافت اسی سلسلہ میں چلی آرہی ہے۔ دستور العمل کی شق اول میں خلیفہ کی حیثیت حسبِ ذیل بتائی گئی ہے

"خلیفہ جو ہوگا وہ بطور افسر جملہ فقیروں کے سجادہ نشین اس درگاہ کا بنا رہے گا"

مٹھا شاہ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ انکے مندرجہ ذیل چھ طالب تھے جو ان کے ترکے کے وارث ہوئے

۱۔ شاہ پیرا۔ جنکے دو چیلے تھے۔
۲۔ نور شاہ۔ ان کا ایک چیلہ مسمّی شرف تھا۔
۳۔ شاہ ثبوت۔ ان کا ایک چیلہ حفیظ اللہ تھا۔
۴۔ شاہ مارالہ۔ ان کے دو چیلے میاں غلام اور شاہ قائم تھے۔

۵۔ شاہ درکائے۔ اِن کے چار چیلے تھے۔

۶۔ شاہ لطیفی۔ ان کے چار چیلوں میں سے ایک کا نام پھول جڑی لکھا ہے۔

ان چھ چیلوں کے بھی کوئی اولاد نہ تھی اور ان کے چیلوں میں سے کچھ لاولد فوت ہوئے اور کچھ کا نسبی سلسلہ اب تک جاری ہے ۱۸۵۹ء میں میٹھا شاہیوں کی ملکیت میں ۲۷۹ ایکڑ ۲ کنال ۱۵ مرلے اراضی تھی اور بہادر علی جعفر علی ستار علی، میاں نور بخش اور میر افضل اس بنی کے سر برآوردہ حضرات تھے، جن میں سے اوّل الذکر خلیفہ تھے میٹھا شاہ کی قبر کے نزدیک ہی ایک لوح قبر کی عبارت ہے "گوہر علی ولد خلیفہ جعفری مسند نشین سید عبداللطیف ۱۲۹۱ھ مقدسہ" بعد میں نجف علی، غلام اکبر اور سید اکبر خلیفہ بتائے جاتے ہیں۔ آخر الذکر کے لاولد فوت ہونے پر محمد برکت ولد جہانداد قوم دھنیال کو خلافت پہنچی جو پنڈ بیگواں کے باشندے تھے اور ریوڑ پور میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ اب انکے فرزند صاحب زادہ قمر الزمان خلیفہ ہیں۔

دبنگ شاہی

غلام حسین شاہ بخاری نے دبنگ شاہ متوطن نگری ٹھٹیال کو ٹھوڈ (غالباً ڈھونڈ) قوم سے بتایا ہے۔ آپکی قبر نور پور شاہاں میں ہے بازار میں جانے کیلئے پل پار کرتے ہی سڑک سے کچھ فاصلے پر بائیں طرف دبنگ شاہ کی قبر ہے۔ قبر کچی ہے جس پر کوئی کتبہ ہے نہ چھت آپ سے جو سلسلہ چلا اسے دبنگ شاہی یا دونگ شاہی کہتے ہیں۔

دبنگ شاہ لاولد فوت ہوئے۔ شاہ فتوحی اور شاہ مراد انکے دو چیلے تھے یہ دونوں بھی لاولد گئے شاہ فتوحی کے دو چیلے طالب شاہ اور میاں فتا تھے شاہ مراد کے تین چیلے تھے مگر ان کے نام معلوم نہ ہو سکے۔

۱۸۵۹ء میں دبنگ شاہیوں کے پاس دوسری ہر پتی سے زیادہ اراضی تھی اس پتی میں سے نیاز علی اور الٰہی بخش موضع کے نمبردار تھے۔ ان میں سے اول الذکر میلے کے موقع پر لنگر (طعام) تیار کراتا تھا اور الٰہی بخش کے ذمے کھانا کھلانے کا انتظام تھا۔ نیاز علی تکیہ مٹھا شاہ میں دفن ہیں اور الٰہی بخش کی قبر دبنگ شاہ کی قبر کے

پاس بتائی جاتی ہے۔ ۱۸۵۹ء میں اس پتی میں سے جو حضرات زندہ تھے ان میں سے ہمیں حسو، شاہ ولی، زمان علی، درگاہے، مادو، فضل، عزیب، دین علی، الٰہی بخش اور نیاز علی کے نام معلوم ہو سکے ہیں۔

عنایت شاہ

شاہ لطیف بریؒ کے تیسرے خادم عنایت شاہ تھے۔ ان کی قبر نور پور شاہاں میں نہیں مشہور ہے کہ کہیں سندھ کی طرف چلے گئے تھے۔ آپ کے تین چیلے شاہ کمال، شاہ برخوردار اور شاہ الفی تھے۔ عنایت شاہ اور ان کے تینوں چیلے لاولد فوت ہوئے۔

شاہ عنایت سے جو شاخ چلی اسے عنایت شاہی کہتے ہیں اس پتی میں بری امام کے مزار کی کنجی رہتی تھی۔ ۱۸۵۹ء میں شاہ ولی کنجی بردار تھے۔ اور چراغ جلانے، جھاڑو دینے اور صبح شام مزار کی چادر جھاڑنے پر گاماں (خورد) مامور تھے۔ گاماں خوردار میر اس پتی سے نمبردار تھے۔ ۱۹۶۰ء تک مزار کی چابی اسی شاخ کی تحویل میں ہی

شاہ حسین

بری امام کے چوتھے طالب شاہ حسین تھے آپ قوم مغل

بتائے جاتے ہیں۔ آپ کی قبر اسی احاطے میں ہے جس میں مٹھا شاہ کی قبر ہے۔

گذشتہ ایک صدی میں شاہ حسین کو دیگر خدام بری امام پر مقبولیت میں فوقیت حاصل ہو گئی۔ آپ کی قبر پر چھت بھی ہے جس کی پیشانی پر یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت سخی شاہ حسین رحمتہ اللہ علیہ

طالب

بری امام رحمتہ اللہ علیہ

تاریخ تعمیر ۱۲ صفر ۱۳۰۷ھ بروز جمعرات

آرزو کردہ سائیں سخی محمد"

اس قبرستان کے احاطے کے دروازے پر محکمہ مسلم اوقاف نے ایک مقفل صندوقچی رکھی ہوئی ہے جس سے چار پانچ ہزار روپے سالانہ آمدنی ہوتی ہے، زائرین شاہ حسین کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کے بعد بری امام کے مزار پر حاضری دیتے ہیں۔ اور واپسی پر دوبارہ شاہ حسین کے مزار پر حاضری دیتے ہیں۔

شاہ حسین نے شادی نہیں کی تھی، آپ کا شاہ حسینی سلسلہ

دو چیلوں کے ذریعے چلا جس میں سے ایک کا نام محمد علی تھا۔ محمد علی کا چیلہ بودھو شاہ، اس کا چیلہ میر علی شاہ اور اس کا طالب حسین تھا ۱۸۵۹ء میں اس بستی کے سربر آوردہ حضرات پیر بخش، حیدر شاہ اور غلام حسین شاہ تھے جن میں سے آخرالذکر دونوں نمبردار بھی تھے غلام حسین شاہ بخاری نے ایک رسالہ "نسخۂ صحیح کرامات شاہ لطیف بری" بھی لکھا ہے۔ ان کی قبر ان کے وطن موضع ساگری ضلع راولپنڈی میں ہے۔ ان کے فرزندوں میں سے ایک کی قبر شاہ حسین کے قبرستان میں ہے۔ جس پر حسب ذیل کتبہ لگا ہوا ہے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم
لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ
روز شنبہ ۲۵ شعبان ۱۲۳۵ھ
سید لعل حسین شاہ ولد غلام حسین شاہ بخاری
نمبردار نور پور شاہاں وفات یافت"

ان لعل حسین شاہ نے اپنے والد کے رسالے کا آزاد اردو ترجمہ کرا کے شائع کرایا جس کے سرورق پر ان کا نام "سید لال شاہ صاحب جاگیردار" لکھا ہے اور ان کے والد

"سید غلام حسین شاہ صاحب بخاری مرحوم" لکھا ہے۔

باب ۶

میلہ نور پور شاہاں

عرس

شاہ بریؒ لطیف کا عرس آخیر مارچ یا اپریل کی کسی مناسب اتوار سے شروع کرا کے جمعرات کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ ان پانچ دنوں میں زائرین کی تعداد دس بارہ ہزار سے زائد نہیں ہوتی عرس کی رسوم محکمہ اوقاف کی نگرانی میں ادا کی جاتی ہیں۔ قبر پر چادر چڑھائی جاتی ہے گزشتہ سال قومی اسمبلی کے سپیکر جناب عبدالجبار خان نے

اس سال ڈپٹی کمشنر راولپنڈی کو چادر چڑھانے کیلئے مدعو کیا گیا تھا فاتحہ خوانی اور محفلِ سماع بھی ہوتی ہے۔ گذشتہ سال سے محفلِ قرأت بھی منعقد کی جانے لگی ہے۔ پہلی بار پیر صاحب پول شریف کی صدارت میں یہ محفل منعقد ہوئی محکمہ اوقاف کی طرف سے لنگر کا بھی انتظام ہوتا ہے۔

میلہ

بری امام کا عرس ۱۹۶۱ء سے ہوتا ہے اس سے قبل مزار اور اس کے گرد و نواح میں ایک موسمی میلہ لگتا تھا جسے میلہ نور پور شاہاں کہتے تھے۔

میلہ کب شروع ہوا

قدیم دہلی کالج میں تمام مضامین اُردو میں پڑھائے جاتے تھے ۱۸۲۷ء میں اس کالج میں انگریزی کی جماعت کا اجراء کیا گیا! اس جماعت میں پہلے سال صرف چھ طالب علم داخل ہوئے: شہامت علی، ہادی حسن، جواہر لال، موہن لال، سیو پرشاد اور رام کشن شہامت علی نے ۲۰ اکتوبر ۱۸۳۰ء کو یہ کالج چھوڑا۔ کرنل سی ایم ویڈ کے مشن کے ساتھ پشاور جاتے ہوئے وہ یکم مارچ ۱۸۳۸ء

کو راولپنڈی میں ٹھہرے جہاں رنجیت سنگھ کی حکومت تھی۔
لکھتے ہیں:

"شہر سے مغربی پہاڑوں کی طرف پانچ کوس کے
فاصلے پر ایک بزرگ لطیف شاہ کا مزار ہے۔ یہاں
ہر سال مئی یا جون میں میلہ لگتا ہے جس میں گرد
و نواح کے دیہات اور شہروں سے اور پشاور
تک سے کثیر تعداد میں لوگ آتے ہیں" [۱]

میلے کے بارے میں یہ قدیم ترین تاریخی شہادت ہے راولپنڈی ڈسٹرکٹ گزیٹیئر ۱۹۰۷ء کے مرتب کو کسی نے بتایا کہ یہ میلہ "ابتداء میں شاہ لطیف کی زندگی میں دسمبر میں لگتا تھا" یہ میلہ پشاور سے ٹالی [۲] لائے بغیر شروع نہیں ہوتا تھا۔ پشاور کے جس صوفی گھرانے سے ٹالی کا آغاز ہوتا ہے، اس کی روایت ہے کہ پہلی مرتبہ یہ تحفہ شاہ لطیف بری کی زندگی میں ان کے خادم شاہ دینگ پشاور سے لے کر آئے تھے سید پور میں ۹۸۸ھ (۸۱-۱۵۸۰ء) میں ہندوؤں کا تیرتھ بنا

---

[۱] دی سکھس اینڈ دی افغانز۔ لندن ۱۸۴۷ء ص ۱۴۹
[۲] تفصیل اسی باب میں آئے گی۔

اور وہاں برہمنوں نے بیساکھی کا میلہ لگانا شروع کیا جس میں مسلمان اور ہندو دونوں شرکت کیا کرتے تھے۔ اس کے اسّی نوے سال بعد نُور پُور آباد ہُوا اس امر کا امکان ہے کہ سید پُوری میلے سے مسلمانوں کی توجہ ہٹانے کیلیے شاہ لطیف برّی کے خدام نے نور پُور شاہاں میں میلہ لگانا شروع کر دیا ہو اور اتفاق سے پشاور کی ڈالی بھی انھی دنوں آئی ہو۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ موسمی میلہ حضرت شاہ لطیف برّی کی زندگی ہی میں شروع ہُوا۔ اگر بعد میں شروع ہوتا تو یہ عرس کہلاتا اور امام برّی کے یوم وفات پر منعقد کیا جاتا مگر آپ کے یوم وفات کا کسی کو علم نہیں۔

ایامِ میلہ

مختلف ادوار میں یہ میلہ مختلف تاریخوں کو منعقد ہوتا رہا۔ ۱۸۸۱ء میں محمد شاہ مشہدی نے لکھا کہ یہ میلہ بارہ فروردی اور اردی بہشت (مارچ تا مئی) میں لگتا ہے[۱]۔ ۱۸۸۳-۸۴ء کے ڈسٹرکٹ گزیٹئر میں ہے کہ "یہ میلہ ۱۲ مئی کو شروع۔

---

[۱] نسب نامہ شریف ضمیمہ ۵

ہوتا ہے اور ایک مہینے تک لگا رہتا ہے" ۱۸۸۲ء اور ۱۸۹۲ء
کی مردم شماری کی رپورٹوں کو پیشِ نظر رکھ کر ۱۹۱۹ء میں ایچ اے
روز آئی۔سی۔ ایس نے لکھا "پندرہ بیساکھ کے بعد کی جمعرات کو
میلہ لگتا ہے۔ ۱۹۰۷ء کے راولپنڈی ڈسٹرکٹ گزیٹیئر میں ہے
کہ" اب یہ میلہ جیٹھ کے مہینے یعنی مئی جون کی ہر جمعرات کو لگتا
ہے۔ شاہ لطیف کی حیات میں دسمبر میں لگتا تھا"۔ ہماری اور جن
لوگوں سے ہم نے دریافت کیا ہے ان کی یاد میں یہ میلہ مارچ
کے آخیر سے مئی کے شروع تک کوئی سے بارہ دن (اتوار سے
جمعرات تک) لگتا رہا ہے۔ معمر لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کی یاد میں تین
موقعے ایسے آئے کہ میلہ نہ لگ سکا۔ گزشتہ صدی کے آخیر میں راولپنڈی
میں وبا پھوٹ پڑی۔ تو میلہ حکماً بند کر دیا گیا۔ دوسرا موقع عالمی جنگ
کا تھا اور تیسری بار فسادات اور جہادِ کشمیر کے باعث ۱۹۴۶ء
۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء میں میلہ نہ لگ سکا۔ آخری بار یہ میلہ طوائف
کے بغیر ۱۹۶۰ء میں لگا۔ ۶ جولائی ۱۹۶۰ء کے ویسٹ پاکستان
نوٹیفیکیشن کے ذریعے مزار امام بری محکمہ اوقاف کی تحویل میں آگیا

لہ اے گلاسری آف ٹرائبس ص ۱۳۰

اور ۱۹۶۱ء سے اس میلے کا نام عرس رکھ دیا گیا۔ جو مارچ، اپریل یا مئی کے کوئی سے پانچ دن (اتوار سے جمعرات) منعقد ہوتا ہے۔ تاریخیں محکمہ اوقاف مقرر کرتا ہے۔

حاضرین کی تعداد

۸۴-۱۸۸۳ء کے راولپنڈی ڈسٹرکٹ گزیٹیر میں زائرین کی تعداد سولہ ہزار سے کم بتائی ہے جس میں تقریباً چھ ہزار افراد دور دراز علاقوں سے آتے تھے۔ ۱۹۰۷ء کے ڈسٹرکٹ گزیٹیر میں تعداد تقریباً بیس ہزار درج ہے۔ قیام پاکستان سے کچھ پہلے ایک سال میلہ پر موٹروں اور تانگوں کو کھڑا کرنے کی جگہ کے ٹھیکے اور ٹول ٹیکس سے ڈسٹرکٹ بورڈ راولپنڈی کو پچاسی ہزار روپے وصول ہوئے تھے۔ اور ٹھیکے دار کو بھی پچیس تیس ہزار روپے بچ گئے ہونگے۔ یقیناً زائرین کی تعداد کئی لاکھ ہوگی۔ یہ ضلع کا سب سے بڑا میلہ تھا۔ یہ تعداد ۱۹۵۰ء میں کم ہونی شروع ہوئی۔ ۱۹۶۰ء میں طوائفوں کے مجرے پر قطعی پابندی لگ گئی تو حاضرین کی تعداد دسواں حصہ رہ گئی، اب تو حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے عرس پر زائرین کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

لنگر

اب محکمہ اوقاف کی طرف سے عرس میں شرکت کرنیوالوں کیلئے مفت طعام کا انتظام ہوتا ہے بعض اور حضرات بھی چھوٹے موٹے لنگر چلاتے ہیں۔ اس سے پہلے مختلف اوقات میں مختلف حضرات لنگر چلاتے رہے۔ ایک وقت میں کئی کئی لنگر ہوتے تھے۔ ۱۸۵۹ء کے دستور العمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سن اور اس سے پہلے فقرائے بری امام لنگر کا انتظام کیا کرتے تھے۔ رواں صدی عیسوی میں سائیں ناگاہی والا اور سائیں ناگا ولایت حسین کے لنگر شروع ہوئے جو بارہ مہینے جاری رہتے ہیں میلے کے دنوں میں سائیں سجاول متوفی ۱۹۶۵ء کا لنگر عام ہوتا تھا۔ یہ تھانہ بارہ کہو (ضلع راولپنڈی) کے نزدیک ایک بستی کے رہنے والے تھے۔ اور ان کی قبر موضع میرا میں ہے۔ خواجہ عبدالعزیز ہزاروی نقش بندی متوفی ۱۹۶۷ء ہر سال اپنے لنگر پر میلے کے دنوں میں ہزار ڈیڑھ ہزار روپے خرچ کیا کرتے تھے۔ موضع ٹانڈے بجنیا ضلع ہزارہ علاقہ شنکیاری کے رہنے والے تھے اس لئے باباجی صاحب شنکیاری والے کہلاتے تھے۔ حویلیاں ضلع ہزارہ میں وفات پائی۔

طوائفوں کے مجرے

۱۹۰۷ء کے راولپنڈی ڈسٹرکٹ گزیٹر میں ہے کہ شرکت کرنے والوں میں "کئی رقاصائیں بھی ہوتی ہیں"۔ ۱۲۹۸ھ (۱۸۸۱ء) میں محمد شاہ مشہدی نے لکھا:

ہمہ مردم از کابل و کاشمیر بیامد چو در روضہ روشن ضمیر
زمردم پشاور دگر ہر دیار سلامی ہمہ بر شہی نامدار
کہ در ماہ فروردی اردی بہشتؔ
جمع گشت خلقت چہ زیبا و زشت

ممکن ہے آخری لفظ زشت سے شاعر کی مراد طوائفیں ہوں۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ جو بھی طوائفیں میلے میں جاتی وہ شاہ حسین اور شاہ لطیف کے مزاروں پر نذرانۂ عقیدت پیش کر کے آغا میر جانی کے ڈیرے

ؔ ایرانی مہینوں کے نام ہیں: فروردین، اردی بہشت، خورداد، تیر، امرداد شہریور، مہر، آبان، آذر، دی، بہمن، اسفندیار (مفتاح التواریخ کانپور، ۱۹۴۷ء ص ۱۶۹) سال کا آغاز مارچ کے آخری عشرہ میں ہوتا ہے۔

پر جا کر حاضری دیتی اور پھر اپنے ٹھکانے پر جاتی۔ میلے کے آخری دنوں میں بدھ کے روز تمام گانے والیاں اس ڈیرے پر جمع ہو جاتیں۔ یہ آٹھ آٹھ دس دس کی ٹولیوں میں مل کر گاتیں اسے جھومر کہتے تھے۔ عام طور پر اس کے بول " ہے جالو تیرے دندان گلوبندنی۔ ہے جالو" کے ساتھ اپنی چارپائیاں لگاتی چلی جاتیں۔

آغا میر جانی کے ڈیرے کے ساتھ طوائفوں کا یہ مخصوص تعلق اس لیے تھا کہ آغا میر جانی اس رسم کے بانی تھے اور زمانہ رنجیت سنگھ کی حکمرانی کا تھا۔

آغا میر جانی (۱۲۱۷ھ۔۔۱۳۰۰ھ) کے دادا میر حسین شاہ بخاری (میر غلام حسین عرب) بخارا سے آکر پشاور میں سکونت پذیر ہوئے اور شاہ قبول اولیا پشاوریؒ کی دختر سے شادی ہوئی۔ آپ کے فرزند میر نجم الدین اپنے خورد سال فرزند آغا میر جانی کو نور پور شاہاں لے گئے اور بارکا بنوایا۔

آغا میر جانیؒ مجذوب الحال قلندر تھے۔ ایک سیاہ کمبل اوڑھے رہتے تھے۔ پشاور کے لوگ آپکو بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور آپ کا بڑا ادب و احترام

کیا جاتا ہے کہ جس وقت پشاور شہر کے بہت بڑے عالم اور علامۂ عصر میاں صاحب آسیہ یعنی میاں غلام جیلانی رحمتہ اللہ علیہ ادھر سے گذرتے تو آپ کے مکان سے دُور گھوڑے پر سے اُتر جاتے اور فرماتے کہ آگے قلندر بادشاہ کا گھر ہے۔ اِدھر آپ فرماتے کہ چرس وغیرہ کی چلم ہٹا دو کہ علم کا بادشاہ آ رہا ہے اور آپ ان کو ملنے حجرے سے باہر آجاتے۔ آپ کا سلسلۂ طریقت حضرت بری امام عبداللطیف قلندر نور پور شاہاں راولپنڈی سے ملتا ہے اسی لئے شریعت کی پابندی آپ بہت کم کرتے۔ طوائفوں کا گانا خوب سُنتے اور بری امام کی ڈالی کے تمام مراسم آپ ادا کرتے۔

آغا میر جانی پہلی مرتبہ طوائفوں کو اپنے ساتھ میلے کے موقع پر نور پور شاہاں لے گئے اور وہاں ان کا اپنے ڈیرے پر مجرا کرایا۔ یہ بات چل نکلی اور رسم بن گئی۔ رفتہ رفتہ ہر ڈیرے دار کے ہاں مجرا ہونے لگا، تقریباً سوا سو سال بعد ۱۹۵۰ء میں حکومت نے فیصلہ کیا کہ کسی بزرگ کے مزار سے دو دو فرلانگ تک طوائفوں کا گانا نہیں ہوگا اور ۱۹۶۰ء میں یہ گانا قطعی

۔ مولانا محمد امیر شاہ پشاوری: علماء و مشائخ ۱۶۴-۱۶۵

ممنوع قرار پایا۔

ڈالی

ڈالی سے مراد تحفہ ہے۔ یوں تو میلے کے موقع پر کئی مقامات سے ڈالیاں آتی رہیں اور آنا بند ہوتی رہیں اور اب بھی آتی ہیں مگر ان میں قدیم ترین اور سب سے اہم پشاور کی ڈالی ہے جس کی آمد سے پہلے میلہ شروع نہ ہوتا تھا۔ یہ ڈالی آٹھ روز تک پشاور میں میلہ سا لگائے رکھتی ہے۔ نور پور شاہاں میں تو میلے کی جگہ عرس نے لے لی۔ مگر من چلے پشاوری اب تک اپنے شہر میں ڈالی کی تمام رسومات اسی قدیم وضع داری سے ادا کرتے ہیں۔

ڈالی عرق گلاب کی اٹھارہ بوتلوں پر مشتمل ہوتی ہے جو ابوالبرکات سید حسن قادری پشاوریؒ متوفی ۱۱۰۴ھ کے جلیل القدر گھرانے سے تحفۃً پیش کی جاتی ہے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جو ۱۰۷۷ھ (۶۷-۱۶۶۶ء) میں شاہ لطیف مجذوب سے ملے تھے۔ آغا میر جانی قادری قلندری متوفی ۱۳۰۰ھ (۸۳-۱۸۸۲ء) کے گھرانے کے اہتمام میں جملہ رسوم ادا کرنے کے بعد یہ ڈالی نور پور شاہاں لائی جاتی ہے۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے میلے میں طوائفوں کے مجرے کا آغاز کیا۔

حبیب گرامی مولانا محمد امیر شاہ قادری (یکہ توت۔ پشاور)

حضرت شاہ محمد غوث لاہوریؒ ابن ابو البرکات سید حسن پشاوریؒ کی اولاد سے ہیں۔ گلاب کی اٹھارہ بوتلوں کا تحفہ آپ ہی کی طرف سے ہوتا ہے راقم الحروف کے نام اپنے مکتوب گرامی کے نام لکھتے ہیں:

" پشاور شہر کے لوگوں کے ساتھ حضرت شاہ عبد اللطیف صاحب المعروف بری امام سرکار رحمت اللہ علیہ کا ایک خاص روحانی تعلق ہے اور یہ تعلق آپ کی زندگی سے چلا آ رہا ہے۔ پشاور کے لوگ اس تعلق کا اظہار مختلف مراسم کی صورتوں میں کرتے ہیں۔ ان مراسم میں ڈالی (تحفہ) کا طریقہ بہت معروف ہے۔ نیز حضرت بری سرکار کا یہ تعلق خصوصی ابو البرکات سید حسن بادشاہ صاحب المعروف میراں سرکار رحمت اللہ علیہ کی وساطت سے عام ہوا۔ پشاور میں حضرت بری امام رحمت اللہ علیہ کے تقریباً تمام مریدین خواہ وہ ڈبنگ شاہی ہوں یا عنایت شاہی وغیرہ وغیرہ سب کے سب متفق اللسان یہ روایت بیان کرتے ہیں اور یہ روایت تواتر کو پہنچ چکی ہے، پشاور میں بوڑھی عورتیں گھروں میں اپنی اولاد کو یہ واقعات اب بھی سناتی ہیں۔ مجھے خود موثق ذرائع سے زبانی یہ واقعہ پہنچا ہے اور اس وقت خلیفہ گل محمود ڈبنگ شاہی کبابی بعمر ۸۰ یا نوے برس ساکن محلہ جگیلی پشاور اور خلیفہ اختر حسین عنایت شاہی ساکن محلہ گڑلائی خان پشاور کہتے ہیں کہ عہد

اورنگ زیب میں حضرت سید میراں بادشاہ رحمت اللہ علیہ کی خدمت میں حضرت بڑی امام سرکار نے اپنا ایک مرید (جس کو وہ اپنی اصطلاح میں بانکا کہتے ہیں) شاہ دبنگ بھیجا۔ وہ بیرون گنج دروازہ بمقام چنبہ پیر آ کر ٹھہرا۔ ادھر حضرت میراں سرکار نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ گنج دروازے کے باہر میرے ایک دوست کا قاصد آیا ہے۔ اس کو جا کر بڑے اہتمام اور بڑی عزت سے لے آؤ۔

خلیفہ گل محمدؒ کا کہنا ہے کہ میرے پڑدادا بھی اسی گروہ میں تھے جو حضرت دبنگ شاہ کو لینے گیا تھا۔ چنانچہ یہ سب لوگ جو خاصی تعداد میں تھے اس مجذوب الحالی بزرگ کو جو تہبند باندھے اور سیاہ کمبل اوڑھے ہوئے تھے، اپنے ہمراہ لے کر آئے۔ آپ نے اپنی خانقاہ میں اسے مہمان رکھا اور رخصت کے وقت گلاب کے پھول اور عرق گلاب کے ۱۸ شیشے یعنی بوتلیں تحفتہً حضرت بڑی سرکار کے لئے دبنگ شاہ صاحب کو دیں اور اپنے مریدین کو فرمایا کہ ان کو اسی طرح عزت و احترام کے ساتھ چنبہ پیر تک رخصت کر آؤ۔ چنانچہ وہ انہیں رخصت کر آئے۔

اب ہر سال یہی طریقہ [illegible]

روحانی برکات اور فیوضات سے اس وقت کا جاری کیا ہُوا سلسلہ
ابتک بعینہ موجود ہے۔ جب حضرت بڑی سرکار کا عرس ہوتا ہے
تو دبنگ شاہی عنایت شاہی وغیرہ فقراء باقاعدہ اسی مقام پر
تشریف لاتے ہیں۔ پشاور میں اعلان ہوتا ہے۔ پشاور کے معتقدین
چلبہ پیر پہنچ جاتے ہیں اور نہایت ہی عزت و تکریم کے ساتھ
جلوس کی شکل میں داخل کرتے ہیں اس وقت بھی اس فقیر
کے گھر سے (یعنی الحاج آقا سید پیر جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ)
ہر سال اٹھارہ بوتلیں عرق گلاب ڈالی تیار کر کے ان فقراء کے سپرد
کی جاتی ہیں اور فقراء جمعرات کے دن یہ ڈالی باندھتے ہیں
اور اتوار کے دن پشاور سے روانہ ہو جاتے ہیں"۔
مولانا محمد امیر شاہ قادری اور آپ کے گھرانے کا ڈالی کی
دوسری رسموں سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد یہ عرق
گلاب دیا کرتے تھے۔ آپ بھی اس وضع داری کو نباہ رہے
ہیں۔
پشاور کی ڈالی کی شان اور جملہ دلچسپیاں آغا میر جانی کے
فرزند آغا دلاور حسین شاہ کے نواسے آغا گوہر علی شاہ قادری
ابن آغا فقیر حسین شاہ مرحوم کے دم قدم سے ہیں نور پور

شاہاں کے میلے کی رونق کے روح رواں بھی بڑی حد تک آپ ہیں۔ عجب باغ و بہار انسان ہیں۔ آپ کا ظاہر و باطن ایک ہے۔ ۲۳، اپریل ۱۹۶۷ء کو آپ کے در آپکے برادر اصغر، پروفیسر آغا افتخار علی شاہ ایم اے کے ساتھ چھ گھنٹے گزارے۔ ڈالی کا قصہ ان دونوں کی زبانی کچھ ان کے کچھ اپنے الفاظ میں اس طرح ہے:

پانچ سات فقرائے بڑی امام اتوار کے روز ریل کے ذریعے پشاور پہنچ کر گنج دروازے کے باہر درگاہ شاہ مسافر میں آجاتے ہیں۔ یہ نور پور شاہاں سے فرمان، سبز علم، چوری اور ڈھول ساتھ لاتے ہیں۔ آغا صاحبان کے مریدین ہاتھوں میں جھنڈے اٹھائے گھڑیال اور نقارے بجاتے ہوئے درگاہ شاہ مسافر میں انکا استقبال کرتے ہیں۔ وہاں سے انہیں آغا صاحبان جلوس کی صورت میں گٹھائی لے جاتے ہیں۔ گٹھالی اس مکان کو کہتے ہیں جو ان فقراء کی قیام کے لیے مخصوص ہے۔ یہاں فرمان پڑھا جاتا ہے۔ اور بڑی امام

ے زاویہ یا الگ الگ بیٹھنے کی جگہ۔ تحصیل کی عمارت کے پاس پشاور میں ایک مکان ہے یہاں ایک خدمت گار سائیں کرم رہتا ہے پچاس ساٹھ سال پہلے ڈالی محلہ و فتر بنداں میں باندھی جاتی تھی۔

کے مزار کی چادر کی دھجیاں آغا صاحبان اور پھر دیگر حاضرین کے گلوں میں باندھ دی جاتی ہیں۔

پیر کے روز فقیر خانے (آغا صاحبان کا رہائشی مکان) پر ناشتہ کرا کے ان فقراء کو حضرت آقا پیر جانؒ متوفی ۱۸۹۷ء کے وقت کرے پر آپ کے فاضل پڑپوتے مولانا محمد امیر شاہ قادری کی خدمت میں لیجایا جاتا ہے۔ پھر آقا میر جانی قادری قلندری متوفی ۱۳۰۰ھ ابو برکات حضرت سید حسن قادریؒ متوفی ۱۷۰۴ء اور شاہ قبول اولیاءؒ کے مزاروں پر فاتحہ خوانی کرتے ہوئے یہ سب جلوس کی شکل میں پشاور شہر کا چکر کاٹتے ہیں۔ راستے میں ڈھول آگے آگے رہتا ہے۔ قلندر دھمال (قلندرانہ رقص) ڈالتے رہتے ہیں اور اوپر منہ کر کے "ر" کو بہت زیادہ کھینچ کر "بڑی" کا نعرہ لگاتے جاتے ہیں۔

منگل اور بدھ کے روز عقیدت مندوں کے ہاں فقراء کا بھنڈارہ (طعام) ہوتا ہے جہاں جاتے ہیں علم اور ڈھول ساتھ ہوتے ہیں۔

جمعرات کو مولانا محمد امیر شاہ کے ہاں سے عرق گلاب کی اٹھارہ بوتلوں کا تحفہ ملتا ہے، ان بوتلوں کو گھالی میں لے

جاکر ٹوکروں میں سجایا جاتا ہے۔ پہلی بوتل آغا گوہر علی شاہ ٹوکرے میں رکھتے ہیں اور باقی خلیفہ کریم۔ خلیفہ کریم کے آباؤ اجداد بھی اسی طرح سترہ بوتلیں رکھا کرتے تھے۔ ڈالی باندھتے وقت عجب سماں ہوتا ہے۔ قوالی ہوتی ہے۔ طوائفیں گاتی اور ناچتی ہیں، ملنگ دھمال کھیلتے ہیں اور ہیجڑے رقص کرتے ہیں۔

جمعہ کے روز آغا گوہر علی شاہ اپنے پڑنانا آغا میرجانی کی درگاہ پر فقراء کو شام کا بھنڈارہ (طعام) دیتے ہیں۔ شام چار بجے سے رات کے بارہ بجے تک محفل نشاط گرم رہتی ہے۔ یہاں بھی ہیجڑوں کا ٹھٹھول، قوالوں کی قوالی اور طوائفوں کا مجرا ہوتا ہے۔

۱۹۵۸ء تک ہفتہ کا دن وری (دبّی) کے لئے مخصوص ہوتا تھا۔ گذشتہ صدی عیسوی کے آخر میں مسمی اچھا ہیجڑا وری نکالا کرتا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کا چیلہ پتا وری نکالتا رہا پھر جمعہ اور کالیا یہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔ ایک سال بعد آغا گوہر علی شاہ کے والد آغا فقیر حسین شاہ نے بھی اپنے گھر سے وری نکالی۔ پھر ایک نومسلم ہیجڑہ مسمی سونا وری نکالنے کا اہتمام کرتا رہا جو ہیجڑہ وری نکالتا وہ تمام مغربی پاکستان کے نامی گرامی ہیجڑوں کو مدعو کرتا۔ قیام پاکستان سے پہلے تمام برصغیر کے نامی [illegible]

اس میں شرکت کیا کرتے تھے۔ وری نکالنے کا طریقہ یہ تھا کہ میزبان ہیجڑا دوپہر کے کھانے پر آغا صاحبان، فقراء، بڑی امام، مہمان ہیجڑوں اور کچھ دوسرے لوگوں کو مدعو کرتا۔ کھانے کے بعد فاتحہ خوانی ہوتی اور ڈنکا بجایا جاتا اور وری کو ایک جلوس کی شکل میں تمام شہر میں گھما کر گنٹھالی تک لیجایا جاتا۔ بینڈ باجا ساتھ ہوتا اور راستے بھر ہیجڑے ناچتے رہتے۔ وری پیٹیوں میں ہوتی تھی۔ اس میں مزار بڑی امام کے لیے دو غلاف، ایک علم، دو سہاگ پڑے اور دو کنگنے ہوتے تھے۔ دولہا کے پہنچے پر باندھنے کے لئے دھاگے میں پروئے ہوئے پھولوں کو کنگنا کہتے ہیں۔ پشاور میں انھیں "گانے" کہتے ہیں۔

اتوار کے روز ڈالی کی آخری رسوم ادا کی جاتی ہیں۔ ٹوکروں میں سجی ہوئی عرق گلاب کی اٹھارہ بوتلیں ایک بہنگی میں رکھی جاتی ہیں۔ فقراء کو رخصت کرنے کیلئے جلوس نکالا جاتا ہے۔ بینڈ باجا ساتھ ہوتا ہے۔ قوالی، ہیجڑوں کا ناچ اور طوائفوں کا مجرا ہوتا رہتا ہے۔ اس جلوس میں لنگی ناچ بھی ہوتا ہے۔ یعنی پیشہ ور لڑکے لمبے لمبے پٹے رکھے ہوئے، زنانہ لباس پہن کر ناچتے ہیں۔ ملنگوں کی ایک کثیر تعداد ہوتی ہے جو دھمال ڈالتی ہے۔ یہ جلوس

گھالی سے درگاہ شاہ مسافر پہنچتا ہے۔ پشاور کا ہر منچلا ادھر بھگرا اس میں شرکت کرتا ہے۔ عقیدت مند نذر و نیاز پیش کرتے جاتے ہیں۔ درگاہ شاہ مسافر پر آخری رسومات ادا کر کے ڈالی کو رخصت کر دیا جاتا ہے اور یوں پشاور کے خوش باشوں اور عقیدت مندان بری امام کے اتوار سے اتوار تک آٹھ دن ڈھول ڈھمکوں، ناچ گانوں اور جلوسوں میں گزر جاتے ہیں۔

پشاور میں ان آٹھ دنوں میں جو کچھ ہوتا ہے اسے میلہ نور پور شاہاں کی ایک کڑی ہی کہا جا سکتا ہے۔ جو رونق یہ ڈالی راستے میں کرتی جاتی ہے وہ بھی اس میلے کے حساب میں ڈالیے۔ پشاور سے نور پور شاہان تک ڈالی کو پیدل لے جایا جاتا ہے۔ راستے میں نارو جبہ، پیر پیائی، نوشہرہ، نوگل باوا، اکوڑا، شیدو شریف، خیر آباد، اٹک، گوندل، کھوپڑ ہٹیاں، لارنس پور، برہان، حسن ابدال، سکھو، ٹیکسلا، پیر سہاوا، سرائے خربوزہ، گولڑہ شریف، گیدڑ کھوٹھا اور سید پور میں رکتا ہوا یہ قافلہ اتوار کو دو بجے کے قریب نور پور شاہاں پہنچ جاتا ہے راستے میں دن رات میں تمیز نہیں کی جاتی۔ گھنٹہ دو گھنٹے ٹھہرے چائے پی، دم لگایا، کسی نے کھانے کا انتظام کر دیا تو کھا لیا، پیاہ .... تانگیں پھیلا کر سستا لیے اور آگے چل دیا

حسن ابدال میں تکیہ بابا ولی قندھاری میں پوری رات گزارتے ہیں۔ آج کل میرِ کارواں آغا گوہر علی شاہ کے فرزند چن آغا ہوتے ہیں فقرائے بڑی امام میں سے ساتھ کبھی ایک دو ہوتے ہیں اور کبھی کوئی نہیں۔ ۱۹۶۶ء میں راقم الحروف نے حسن ابدال میں اس قافلے کو دیکھا تھا۔ کل تیس افراد ساتھ تھے۔

نور پور شاہاں میں احاطہ مزار میں داخل ہو کر یہ ڈالی فقراء کے سپرد کر دی جاتی ہے۔ ۱۹۶۰ء تک ڈالی پہنچنے کے بعد میلہ شروع ہوتا تھا۔ اس سال کے بعد رسوماتِ عرس شروع کرنے کیلئے ڈالی کا انتظار نہیں کیا جاتا۔ جس وقت یہ ڈالی نور پور پہنچتی ہے اٹھارہ میں سے سولہ بوتلیں رہ جاتی ہیں۔ راستے میں ایک بوتل اٹک میں مرقد شاہ نند دیوان پر پیش کی جاتی ہے اور دوسری حسن ابدال میں حضرت بابا ولی قندھاری کے فقرا کو دے دی جاتی ہے۔

میلے کا بیان

میلہ تو بارہ روز لگتا تھا مگر اس کی تیاری مہینوں پہلے شروع ہو جاتی۔ لوگ مکانوں اور دکانوں کی مرمت کراتے اور دو دو

تین تین مہینے پہلے پیشگی کرایہ دے کر زائرین کے لئے مخصوص کر دیتے
معدودے چند افراد کے سوا باقی سب آبادی مضافاتی بستیوں
میں چلی جاتی۔ نورپور شاہاں خاص میں چار سو مکان ہونگے
مکانوں کا کرایہ بڑھتے بڑھتے بارہ روز کے لئے بارہ سو روپے
تک پہنچ گیا تھا۔ لوگ برتنوں اور چارپائیوں کو بھی کرایہ پر چڑھا
دیتے۔

نورپور سے باہر بھی لوگ زور شور سے میلے کی تیاری کرتے
لنگر چلانے والے اشیائے خورد و نوش کا انتظام کرتے، قلندر
مہینوں پہلے اپنے اپنے مرکزوں سے چل پڑتے ہیجڑے، قوال،
اور طوائفیں اپنی اپنی تیاری کرتیں، ڈالیاں لانیوالے اپنے کام
میں مشغول ہوجاتے۔

میلے میں ہر قماش اور ہر حیثیت کے لوگ آیا کرتے تھے۔
کوئی مرقد بری امام کے پاس بیٹھا خوش الحانی سے کلام پاک
کی تلاوت کر رہا ہے تو کوئی مقبرے کی جالی کو چوم رہا ہے کوئی
چوکھٹ پر سجدہ ریز ہے تو کوئی ہاتھ اٹھا کر منت مان رہا ہے۔
مسجد میں اذان ہو رہی ہے تو اس کے باہر قریب ہی ملنگوں کی
ٹولی رقص کر رہی ہے اور

فلک شگاف نعرے لگا رہی ہے۔

مزار کے باہر بالکل برہنہ، لنگوٹ بند، کفن پوش اور آہن پوش بھی مل جاتے تھے۔ ان آہن پوشوں کے جسم پر دو دو من لوہا ہوتا۔ ہیجڑوں کی تعداد بھی قابل ذکر ہوتی تھی۔ ایک زمانہ تھا کہ یہاں راولپنڈی کے بھنشو اور مزمل، ہیجڑوں کی بڑی وقعت تھی۔ کبھی کبھی رفاہی فقیروں کا غول بھی دلچسپی کا باعث بن جاتا تھا۔ یہ بدن پر بھبوت ملے ایک کرچھے میں آگ لیے پھرا کرتے تھے۔ اس آگ میں گوگل (ایک درخت کا خوشبودار گوند) ڈالتے رہتے۔ اسکے خوشبو دار دھویں کو لوگوں کے نزدیک لا کر "دے چراغ، یا مراد" کی صدا لگاتے۔ اگر انہیں پیسے نہ ملتے تو پھر یہ لوگ وہ دردناک منظر پیش کرتے کہ دیکھنے والوں کو اپنی آنکھوں پر شبہ ہونے لگتا۔ اپنا گرز اپنے ہی جسم کے آر پار نکال دیتے، اپنی آنکھ کا ڈیلا خول سے باہر لٹکا لیتے اور پھر اندر رکھ کر آگے بڑھ جاتے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں مگر اس کرتب کے دیکھنے والوں کے دل ضرور دہل جاتے۔

جوا کھلے بندوں کھیلا جاتا تھا۔ ندی کے کنارے دور تک اور بازار میں جواریوں کی ٹولیاں بیٹھی نظر آتیں۔

آزادی کے بعد پولیس سختی کرنے لگی تو ڈیروں پر کھیلا جانے لگا۔

بٹیر بازی بھی ہوتی تھی۔ لاہور سے اٹک تک کے نامی گرامی بٹیر باز جمع ہو جاتے تھے۔ مردانیوں کے ڈیرے پر کسی بھی جوڑے پر ایک ہزار روپے سے کم داؤں پر نہ لگتے۔ دس دس ہزار تک نوبت پہنچ جاتی۔

یہ تو دن کی باتیں تھیں۔ میلہ دراصل رات کو چمکتا تھا اس گاؤں میں ابتک بجلی نہیں پہنچی مگر رات کے وقت کسی بلند جگہ سے دیکھا جاتا تو نیچے کی ناہموار جگہ ایک طلسماتی دنیا معلوم ہوتی تھی۔ تمام فضا بتی کی قمریوں کے عطر بیز لقموں سے معمور ہوتی تھی۔ ڈیرے ڈیرے پر مجرا ہوتا۔ بیک وقت دو تین سو طوائفیں جدا جدا نغمہ زن ہوتیں اور باقی اپنے سازوں کیلئے اپنی باری کی منتظر ہوتیں ان راتوں کی رنگینی بھی آغا گوہر علی شاہ پشاوری کی زبانی سنئے جو گذشتہ چالیس سال یعنی اپنے بچپن سے اس میں شرکت کر رہے ہیں اور پچیس سال سے تو باقاعدہ اس ڈرامے کے مرکزی کردار ہیں۔ وہ تمام کرداروں میں سے کچھ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اور باقی ان رنگین یادوں کو فخر کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

بندوں ہزاروں لاکھوں انسانوں کی موجودگی میں رونق کا باعث بنتے تھے لہٰذا آغا صاحب کا خیال ہے کہ ان کا ذکر پردہ داری کی تعریف میں نہیں آتا۔

یوں تو کوہمری کے راجے بھی ڈیرے دار تھے اور بعض مسلمانوں کی شرکت میں راولپنڈی کا ایک ہندو مقصود داس (لالہ دیو راج کا چھوٹا بھائی۔ ان کی بڑی سی حویلی ناولٹی سینما کے پاس تھی) بھی ڈیرہ لگایا کرتا تھا۔ مگر جو بات پشاوریوں، مردانیوں کو ہاٹیو اور بنوچیوں کے ڈیروں میں تھی وہ اور کوئی پیدا نہ کر سکا۔

سب سے زیادہ ڈیرے پشاوریوں کے تھے۔ ان میں سے اپنے اپنے زمانے میں پانچ ڈیرے خاص طور پر مشہور تھے آغا گوہر علی شاہ اپنے ہی ڈیرے سے شروع کرتے ہیں۔ ان کے ڈیرے کا نام "آغا میر جانی کا ڈیرہ" ہے۔ اسے ہمارے راوی کے پڑنانا آغا میر جانی نے رنجیت سنگھ کے عہدِ تسلط میں لگانا شروع کیا اور یہاں طوائفوں کا اولیں مجرا ہوا آپ کے انتقال کے بعد آپ کے فرزند آغا دلاور شاہ کے داماد آغا فقیر حسین شاہ مرحوم اور اب آخرالذکر کے فرزند آغا گوہر علی شاہ کی نگرانی میں یہ ڈیرہ لگتا ہے یہ ڈیرہ شاہ حسین کے قبرستان کے جنوب مغرب میں

ندی کے کنارے لگتا ہے۔ اس ڈیرے کے علاوہ پشاور کے جٹی شاہ، یعقوب شاہ، انور خان اور خان صاحب جان محمد خاں کے ڈیرے اپنے اپنے زمانے میں معروف تھے۔

مروانیوں کے ڈیروں میں سب سے مشہور فتح محمد خان کا ڈیرہ رہا ہے۔ سب سے زیادہ ہجوم یہیں لگتا تھا۔ ان کے علاوہ شیر دل خاں، موسیٰ خاں اور اکبر خاں کے ڈیرے بھی مشہور تھے کوہاٹیوں کے ڈیروں میں مشہور ترین کبا شاہ کا ڈیرہ تھا۔ جو دھال خانے کے قریب لگتا تھا قیام پاکستان کے بعد تین چار سال تک شنواریوں نے بھی ڈیرے لگائے۔

آغا گوہر علی شاہ نے اپنی دید و شنید کی بنا پر ان طوائفوں کے نام لکھوائے جو اس میلے میں شرکت کرتی رہی ہیں پشاور سے دہلی تک شائد ہی کوئی اچھا گانے والی ہو گزری ہو جو یہاں نہ آئی ہو۔ آپ کے اندازے کے مطابق آخر آخر میلے میں پانچ چھ سو گانے والیاں آیا کرتی تھیں۔ یہاں آنے کے لئے یہ خفیہ خفیہ لباس تیار کراتیں اور یہ قیمتی لباس نئے سے نئے ڈیزائن کا ہوتا۔ کسی کو اس لباس کی بھنک بھی نہ پڑتی اس کا علم لوگوں کو صرف اسی وقت ہوتا جب

گانے کیلئے نکلتیں ۔ ان میں سے جو چوٹی کی ہوتیں وہ بارہ روز میں چھ سات ہزار روپیہ کما لے جاتیں ۔ یہ طائفہ مجموعی طور پر پانچ لاکھ روپے ضرور کھینچ لیا کرتا تھا ۔

۱۹۴۲ء یا ۱۹۴۳ء میں بڑی امام اور شاہ حسین کے مزاروں کے احاطوں میں طوائفوں کا گانا ممنوع قرار پایا۔ ۱۹۵۰ء میں مزار شریف سے دو دو فرلانگ کے فاصلے پر مجرا بند ہوا تو دور دور پہاڑیوں اور ٹیلوں پر شامیانے لگائے گئے۔ ۱۹۶۰ء سے میلوں کے دنوں میں مزار سے دس دس میل کے فاصلے پر طوائفوں کا گانا بجانا قانوناً بند کر دیا گیا ۔ اس فیصلے سے نور پور شاہاں کے باشندوں کی آمدنی پر برا اثر پڑا ۔ سب نے پانچ پانچ روپے جمع کر کے اس ممانعت کے جواز کو عدالت میں چیلنج کرایا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ دو اور دو چار والی بات تو نہیں مگر ایک اندازے کے مطابق میلے کے بارہ دنوں میں کم از کم چوبیس لاکھ روپے ایک جیب سے دوسری جیب میں چلے جاتے تھے ۔

باب ۷

دو سائیں نانگے

شاہ لطیف بری کے عقیدتمندوں میں سبھی قسم کے لوگ ہیں۔ ان میں پابند شریعت اہل سنت بھی ہیں اور راسخ العقیدہ شیعہ بھی شریعت سے بے نیاز [illegible] بھی ہیں۔ اور نانگے بھی لفظ نانگا ماخذ اور مزاج کے اعتبار سے سراسر ہندوانہ ہے ہندوؤں میں تو نانگوں کی منظم جماعتیں ہیں مگر [illegible]

مسلمان بھی وہی طور طریقے اختیار کر کے ناںگا مشہور ہو جاتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ ہندو ناںگے بالعموم ساری عمر اپنے مذہب کے مطابق پوجا پاٹ کرتے رہتے ہیں اور مسلمان ناںگے احکامِ خداوندی سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ جہلا انھیں ولی اللہ سمجھتے ہیں حالانکہ سب سے بڑے ولی اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا نے یہ رعایت نہ دی تھی کہ آپ روزہ نماز ترک کر دیں۔

شاہ لطیف بری کے نام لیواؤں میں بھی چند ناںگے ہیں جو عوام میں بہت مقبول ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی نور پور شاہاں کا قدیم باشندہ نہیں۔ یہاں ہم ایسے دو ناںگوں کا ذکر کرتے ہیں جنھیں بری امام کی کشش نور پور شاہاں لے آئی تھی اور اب ان کی کشش ہزاروں انسانوں کو نور پور شاہاں لے جاتی ہے۔

سائیں ناںگا ہلی والا

بری امام کے مزار سے جنوب مغرب میں نزدیک ہی ندی پار ایک چار دیواری میں چند قبریں اور ایک مقبرہ ہے۔ اس مقبرے میں سائیں ناںگا میر علی قادری ہلی والا دفن ہیں۔ اس مزار سے ملحق نزدیک ہی چھ کوٹھڑیاں اور کچھ افتادہ زمین ہے۔ یہ تمام

جگہ دو کنال آٹھ مرلے میں ہے۔ ۸ر اکتوبر ۱۹۶۰ء کے ویسٹ پاکستان گورنمنٹ گزٹ نوٹیفکیشن کے ذریعے یہ تمام رقبہ اور اس کی عمارات محکمہ مسلم اوقاف کی تحویل میں دے دی گئیں یہاں سے اس محکمے کو دو ڈھائی سو روپے سالانہ سے زیادہ آمدن نہیں ہوتی۔

ہم نے سائیں نانگا ہلی والا کو نہیں دیکھا۔ سطور آئندہ کا ماخذ مولانا محمد قاسم راجوروی کا رسالہ بری امام کا لاڈلہ ہے۔

سائیں نانگا میر علی نور پور شاہاں سے تقریباً بارہ میل شمال مغرب میں موضع ڈبریال علاقہ ہلی تحصیل ہری پور ہزارہ میں قھونڈ گھرانے میں تولد ہوئے۔ بچپن میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور یہ اپنے چچا کے پاس موضع خربوزہ میں رہنے لگے۔ بارہ سال کی عمر میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ کچھ عرصہ ادھر ادھر تسکینِ قلب کی تلاش میں سرگرداں پھر پھرا کر مزار بری امام پر آ گئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔

ے یہ قدیم موضع اب اسلام آباد کی حدود میں ہے۔ دو سو بارہ گھروں کی اس قدیم بستی میں ساڑھے بارہ سو افراد رہتے ہیں۔ (مردم شماری ۱۹۶۱ء)

بارہ سال تک ان کا یہ معمول رہا کہ دن کے وقت جنگل میں رہتے۔ کلام بالکل نہ کرتے۔ کوئی نظر آتا تو کہیں چھپ جاتے اور اگر مجبوراً کبھی اظہارِ مدعا کی ضرورت پیش آتی تو اشاروں میں باتیں کرتے۔ رات ہوتی تو لکڑی کا گٹھا ننگے سر پر رکھ کر ننگے پاؤں بری امام کے مچ (آتش کدہ) کیلئے لاتے۔ رات مزار پر تصورِ شیخ میں گزارتے اور صبح ہونے سے پہلے جنگل میں چلے جاتے۔ اس طرح بارہ سال گزر گئے تو مزار میں ہی رہنے لگے۔ گرمی سردی برسات مقبرے کے باہر آسمان کے نیچے فرش پر پڑے رہتے یا مزار کے روبرو ہاتھ باندھے کھڑے رہتے۔ اس حالت میں مزید بارہ سال گزار کر انھوں نے مزار سے مشرق کی جانب ایک مکان میں اقامت اختیار کی۔

اس مکان میں انھوں نے لنگر جاری کیا۔ آنے جانے والوں سے باتیں بھی کرنے لگے۔ لوگوں کی آمد و رفت زیادہ ہوئی تو فقرائے بری امام نے انھیں یہاں سے اٹھا دیا۔ یہاں وہ سترہ سال رہے اور پھر موجودہ جگہ خرید کر اس میں کوٹھڑیاں تعمیر کرائیں اور لنگر جاری کیا۔ چارپائی استعمال نہ کرتے تھے۔ چہرے پر چادر ڈالے ہاتھ باندھ کر امام بری کے مزار کی طرف منہ کئے بیٹھے رہتے تھے۔ صبح کے وقت بلا ناغہ غسل کرتے۔ خوراک سادہ تھی۔ روزانہ بیس تیس

آدمی اُن کے لنگر سے کھانا کھاتے۔ جمعرات کو پلاؤ سے ضیافت کرتے۔ چاند کی گیارھویں کو ایک بکرے کے پلاؤ پر پیرانِ پیر کی فاتحہ دلاتے اس مقام پر تقریباً پندرہ سال گزار کر ۲، ہاڑ ۱۹۸۷ بکرمی مطابق ۱۸، محرم ۱۳۵۰ھ (۱۶ جون ۱۹۳۰ء) کو انہوں نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ خطیبِ نور پور شاہاں شیر زمان نقشبندی نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ ان کے بنائے ہوئے باغیچے میں دفن کیا۔ ابھی چالیسواں ہونے بھی نہیں پایا تھا کہ ان کی قبر پر معتقدین نے ایک روضہ تعمیر کرا دیا۔ جو شاہ بّری کے مزار سے متشابہ ہے۔ مزار پر سال میں دو مرتبہ یعنی بکرمی تقویم کے اعتبار سے ۲ ہاڑ کو اور ہجری حساب سے ۱۸ محرم کو ان کا عرس ہوتا ہے۔

سائیں ننگا ولایت حسین

۲۴، جنوری ۱۹۶۵ء کی بات ہے۔ ابھی ہم "نور پور شاہاں" سنگ میل سے کوئی چالیس گز ورے ہونگے کہ ڈرائیور نے بائیں طرف اشارہ کر کے کہا "نور پور شاہاں میں روحانیت صرف یہاں ملیگی"

۔ بکرمی سن میں سے ۵۷ منہا کرنے سے عیسوی سن حاصل ہو جاتا ہے۔

فوراً گاڑی رکوائی اور ایک ساٹھ ستّر گز کچی پکی سڑک کو پُھدک پھدک طے کر کے سائیں تانگا کے دربار تک پہنچ گیا۔

سیمنٹ کے بلاکوں کے صحن پر سے نظر پھسل کر ایک دالان پر گئی جہاں دری پر پچیس تیس افراد بیٹھے تھے ایک طرف تخت پر وہ بزرگ جلوہ فرما تھے جن کا ذوقِ زیارت مجھے کشاں کشاں وہاں لے گیا تھا۔

عمر اسّی سے متجاوز، خمیدہ کمر، دُبلا پتلا جسم، منڈا ہوا سر جس پر بالوں کی ایک لٹ چھوڑی ہوئی تھی۔ پوپلے منہ میں ہونٹوں سے ڈبائن سگرٹ دبائے کش لگا رہے تھے۔ آپ صاف ستھرا مگر سادہ لباس زیب تن کئے ہر موسم میں شب و روز اسی تخت پر گزارتے ہیں۔

میں نے جا کر سلام مسنون کیا۔ ارشاد ہوا "آؤ بچہ بسم اللہ" اور ہاتھ سے میری کمر کو تھپکا۔ دری پر بیٹھ کر میں نے ماحول کا جائزہ لیا۔ تخت پر گدہ بچھا ہوا تھا۔ اور گدے پر سوتی قالین۔ قالین پر سہارے کے لئے پانچ تکیے اور دو گاؤ تکیے تھے۔ کونے میں دیواروں سے لگی ہوئی تیس کے قریب چھڑیاں کھڑی کی ہوئی تھیں۔ میرے استفسار پر بابا تانگا نے بتایا کہ "یہ جن اُتارنے کیلئے ہیں۔ ان سے آسیب زدہ لوگوں کو پیٹا جاتا ہے۔ ایک ایک پر کئی کئی چھڑیاں ٹوٹ جاتی ہیں"۔ تخت کے دوسرے سرے پر مٹی کے برتن میں چھنی ہوئی راکھ رکھی ہوئی تھی۔ پاس ہی تخت کے نیچے

ایک فریہ ملنگنی بیٹھی تھی جو طلب کرنے پر چٹکی چٹکی راکھ کی پڑیا بنا کر دیتی تھی
تخت پر ایک مقفل صندوقچی بھی تھی جس میں نذرانہ ڈالا جاتا ہے۔

کھڑے ہو کر دیوار پر نظر ڈالی۔ ایک تختی پر "بابا نانگا پیر ولایت حسین نور پور شاہاں لکھا ہوا تھا۔ یہ آپ کا اسم گرامی اور القاب ہیں۔ دیوار پر کئی فوٹو تھے۔ ایک چوکٹے میں تین فوٹو تھے۔ درمیان میں بابا نانگا کا، دائیں طرف شاہ لطیف بھٹائی کی خیالی دستی تصویر تھی اور بائیں طرف اسی عکس کا نسخہ مگر قدرے چھوٹا۔ اس کے نیچے "شاہ لطیف بری" لکھا ہوا تھا۔ بابا نانگا نے فرمایا "رب لطیف اور شاہ لطیف بھٹائی ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں۔ رب لطیف نے یہاں اپنے آپکو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ کر لیا اور سندھ میں جا کر ظاہر ہوئے۔ وہاں آپ نے یہی نام رکھا۔ تصویریں دیکھو کوئی فرق ہے؟" ایک اور چوکٹے میں تصویر کے نیچے "حضرت عباس علمدار" لکھا تھا۔ ایک چوکٹے میں تین تصویریں تھیں۔ انکے نیچے علیؑ، حسنؓ، حسینؓ کے اسمائے گرامی لکھے ہوئے تھے۔ اس نگار خانے کو دیکھ کر میں فرش پر بیٹھ گیا۔ میری خواہش پر بابا نانگا نے اپنی زندگی کے حالات یہ لکھائے

"میں بیدکسراں میں ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوا۔ باپ کا نام گوہر علی ... تھا۔ میں سندھ ... [illegible]

دربار میں حاضری کا حکم ہوا۔ ترکِ ملازمت کر کے ۴، جنوری ۱۹۱۲ء کو یہاں آ گیا اور پھر یہیں کا ہو رہا۔ میرے رشتے داروں نے مجھے یہاں سے اکھاڑنے کے ہزاروں جتن کیے۔ مگر فقیری کا رنگ کچا نہیں ہوتا ایک دفعہ میرا باپ اور میرا بھائی آئے۔ بہت ہی اصرار کیا کہ میں فقیری سے باز آؤں۔ وہ پہلے بھی کئی مرتبہ مجھے تنگ کر چکے تھے۔ میں نے دل میں ربِ لطیف کا دھیان کیا کہ جب میں دُنیا کو چھوڑ بیٹھا ہوں، تو یہ لوگ مجھے کیوں پریشان کرتے ہیں۔ اسی وقت ان کے جسم میں درد شروع ہُوا اور وہ دونوں مر گئے۔

" میں نے شادی بھی کی تھی۔ صرف ایک لڑکا پیدا ہُوا۔ عنایت حسین نام تھا۔ وہ مر چکا ہے۔ اس کے دو لڑکے صغیر حسین اور بشیر حسین، میرے پاس ہیں۔ صغیر حسین کے دو بچّے ہیں۔ صغیر حسین سے ملو گے؟"

آپ نے ایک ملنگ کو بھیج کر صغیر حسین کو بلوایا اور اس سے میرا تعارف کرایا۔ اسی اثنا میں ایک شخص آیا۔ اس نے بابا نانگا کو سجدہ کیا۔ باباجی نے اس کی طرف دیکھے بغیر اس کی کمر کو دو مرتبہ اپنی چھڑی سے تھپکا۔ اور وہ اُلٹے پاؤں چلا گیا۔ کچھ کچھ وقفے کے بعد ایک ایک کر کے لوگ آتے رہے اور سجدہ کرتے رہے۔ باباجی ان کی کمر کو چھڑی سے تھپکتے۔ وہ نظریں نیچی کیے واپس چلے جاتے یا مؤدب بیٹھ

جاتے۔ باباجی میری طرف توجہ کیے لکھواتے رہے

"فقیری آسان کام نہیں۔ میں نے جو ریاضت کی ہے کوئی اسکا دسواں حصہ تو کر دکھائے۔ یہاں آکر بالکا (چیلہ) بنا، مدتوں بانوائی (فقیری) کرتا رہا۔ برسوں بناپیتی پر گزارہ کیا۔ اٹھائیس سال تک ڈھائی من لوہا بدن پر پہنے ہر موسم میں جنگلوں جنگلوں پھرتا رہا۔ اب کمزوری کی وجہ سے اُتار دیا ہے۔ میرا جسم مارا گیا۔ پیشاب کرتا ہوں تو پہلو کے بل لیٹ کر قطرہ قطرہ آتا ہے۔ آدھ آدھ گھنٹہ لگ جاتا ہے۔ رفع حاجت کے وقت بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ دو دو تین تین گھنٹے لگ جاتے ہیں سیروں خوں بہہ جاتا ہے۔"

باباجی اپنی کتابِ زندگی کے مزید اوراق اُلٹنا چاہتے تھے مگر مجھے واپسی کی جلدی تھی۔ میں نے کہا "شاہ لطیف بری کے حالاتِ زندگی لکھ رہا ہوں۔ آپ سے بہتر کون رہنمائی کر سکتا ہے" فرمایا "کل آنا پھر بتاؤں گا" بعد میں رمز شناس ڈرائیور نے بتایا کہ "رات کو بری امام سے اجازت لیں گے۔ اشارہ ہو گیا تو بتائیں گے۔ ورنہ نہیں"

میں اجازت لیکر صحن میں آگیا۔ یہاں بابا نانگا کے پوتے صغیر حسین میرا انتظار کر رہے تھے۔ مجھے بیتی تپاک سے ملے اور یہ بتا کر میری نظروں میں مزید ... اُبھر آئے کہ

سے تھپکی نہیں دیتے۔ محض چھڑی لگا دیتے ہیں۔ اُنھوں نے یہ بھی بتایا کہ بابا نانگا نے اپنی زندگی کے حالات کسی کو نہیں بتائے ورنہ ہی اتنی دیر تک اس بے تکلفی سے کسی سے باتیں کیں۔ اُنھوں نے ساتھ چل کر ایک ایک جگہ دکھائی۔ ملنگ اور ملنگنیوں کے رہائشی کمرے دیکھے۔ ایک مویشی خانے میں بہت سے مویشی دیکھے جو نذرانوں میں آئے تھے۔ مطبخ اور گودام دیکھا۔ یہاں ایک طرف آٹے کی چالیس بوریاں اوپر تلے رکھی تھیں۔

ابھی کچھ حصے دیکھنے باقی تھے۔ کرمچ (آتش کدہ) سے گھڑیال بجنا شروع ہُوا۔ اور پھر نقارے پر چوٹ پڑی۔ پانچ منٹ تک نوبت بجتی رہی۔ صغیر حسین نے بتایا "کہ اب ملنگوں کی نماز ہوگی۔ دربار کے معتقدین تو ہزاروں ہیں۔ مگر باقاعدہ ملنگ ستر اسی ہیں ان میں سے کچھ چھٹی پر ہیں۔ اور کچھ باہر کاموں پر بھیجے ہُوئے ہیں۔ اب تو یہاں صرف سات ملنگ اور چار ملنگنیاں ہیں"

یہ ملنگ صحن میں صف بستہ ہو گئے۔ ان کا مُنہ مزار بری امام کی طرف تھا۔ یہ مزار وہاں سے مشرق کی جانب ہے۔ بائیں طرف سات آٹھ گز کے فاصلے پر بابا نانگا اپنے تخت پر بیٹھے پیش امام کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ آپ کا مُنہ ہمیشہ مزار کی طرف رہتا ہے اس وقت دونوں ہاتھ

جوڑے ہوئے تھے۔ آپ کی آواز آئی "اللہ پاک لطیف پیرامام والی ولایت نوری پیر بری" اور مقتدیوں نے خشوع و خضوع اور ترنم کے ساتھ باآوازِ بلند کھلے ہاتھ نماز پڑھنی شروع کی۔ مجھے اس وقت یہ احساس ہُوا کہ میں قلعۃالموت کی سیر کر رہا ہُوں۔ "نماز" اتنی طویل تھی کہ یاد رہ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اندھیرا ہو چکا تھا۔ صغیر حسین نے کہا کہ کل لکھوا دُوں گا۔

اگلے روز دن کے ساڑھے گیارہ بجے میں پھر سائیں نانگا کے دربار میں حاضر تھا۔ صحن کے ایک کونے میں کچی کوٹھری ہے۔ جسے حجرہ کہتے ہیں۔ اس میں ایک طرف ہر وقت آگ جلتی رہتی ہے۔ یہی کوٹھری نقار خانے کا کام دیتی ہے۔ یہاں پانچ ملنگ بیٹھے ہُوئے تھے۔ سائیں نانگا نے ان میں سے ہر ایک کی پُوری پوری نفسیاتی تسخیر کی ہوئی ہے میں نے ایک ملنگ کو صغیر حسین کو بلانے کیلیے بھیجا اور ایک دوسرے لمبے تڑنگے ملنگ سے باتیں کرتا رہا۔ اس نے لکھوایا:

"میرا نام سائیں منظور علی ہے۔ یہ نام حضور (سائیں ناگا) کا رکھا ہُوا ہے۔ ماں باپ نے غلام عباس نام رکھا تھا۔ بڑی جنگ میں [illegible] ملکوں لڑا۔ پھر پولیس میں بھرتی ہو گیا۔ یہی ۱۹۴۶ء اور حضور کی [illegible] کے لئے آیا کرتا تھا۔ ایک روز [illegible]

مانی تھی کہ میرے لڑکا پیدا ہوا تو اسے مزار شریف کی نذر کر دوں گی چنانچہ تو پیدا ہو گیا۔ کہاں بھٹکتا پھر رہا ہے۔ اب یہیں رہ جا۔ اس کے بعد میں نوکری پر نہیں گیا۔ یہاں تیس سال سے نوبتی ہوں۔ میرا کام نقارہ بجانا ہے۔ اور مجھ روشن رکھنا ہے۔ لکڑیاں دوسرے ملنگ لاتے ہیں گھڑیال اور نقارہ رات کے تین بجے اور دن چھپنے کے بعد بجاتا ہوں اس کے بعد ملنگوں کی نماز ہوتی ہے۔"

اتنے میں صغیر حسین آگئے۔ میری خواہش پر انہوں نے اشارہ کیا اور ساتیں منظور علی نے ملنگوں کی 'نماز' لکھوانی شروع کی۔ میں لکھتا گیا وہ چار پانچ لفظ سناتا۔ آنکھیں بند کر لیتا۔ اور بائے بسم اللہ سے بولنا شروع کرتا۔ جہاں میں اسے اشارہ کرتا رک جاتا اور میں وہ الفاظ لکھ کر پھر آگے کیلئے اسے کہتا۔ وہ پھر حرفِ اوّل سے شروع کرتا۔ اس طرح اس نے کوئی سو بار شروع سے سنا کر یہ تمام 'نماز' لکھوائی اور پھر مجھ سے پوری سن کر اس کی تصدیق کی۔ مجھے اُس دن تک اتنے سادہ لوح انسان سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔

نانگا ولایت سیان

ملنگوں کی نماز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ پاک لطیف امام والی ولایت نوری پیر بری[1]

ایلی ایلی حیدر

مارے موذی ترو ڑ[2] خیبر

ڈڑیا رہو خارجیا اگلی گٹھے ڈڑیا رہو[3]

سر جائیں گے۔ سوٹا ضرور کھائیں گا

ہلا ہو شو[4] منکر۔ نہ ڈال ملی نہ ٹکر

تبرائی۔ صبح شام تکرائی[5]۔ ہلا ہو

---

[1] یہ گروہ بھی شاہ لطیف بری کے نام کے ساتھ "پیر" اور "امام" الفاظ کا استعمال کرتا ہے [2] توڑ [3] اے خارجی سامنے کے کونے میں گھس کر دبکا پڑا رہ [4] اٹھائے گا۔ [5] حملہ کر کے ہلا بنا جیسے ہلا بول دیا۔ ہلا ہو کلمہ للکار ہے۔

[4] اے منکر

[5] مکرر۔ بار بار

سید فقیر کے چور، نہ ختن علی نہ گو

حسین پاک دیا قاتلا - اہلِ بیت دیا دشمن

تبرہی - صبح شام ٹکراتی

ہر گھڑی ہر پلک - ہلا ہو

آئی تی عیزتی - نہ ڈھگی - نہ وچیڑ کی

شاہ بڑی کی بھلیاں کو بھلی لاج

جیسی نیت - ایسی مراد

من چاہے تو سکھ پائے

نیں تو ماں دی ناس مرائے

ہلا ہو - نمکرا

اللہ - علی - نبی - پنجاں - باراں، چوداں دیا نمکر

ڈھیراں لعنت

لے کفن

لے اے ایرے عیزرے - تو قلاش ہے - ڈھگی - جوان گائے

بیت

لے ماں کی گالی

تبرّیٰ۔ صبح شام مُکرائیٔ

سُر رکھ گھس گئی

سر رکھ مادر چودا پھر رکھ

سمجھ دی کسُر ہُوئی توفزری پھر سہی

جیڑھا سمجھے۔ آپے دار۔ اسے نال

اعلیٰ کو اعلیٰ سڈھیا۔ جو اعلے مقام تے

لکھ لکھ درُود بھیجو محمّد دی آل تے

اللّٰہم صلی علیٰ سیدنا مولٰنا محمّد و آلِ محمّد

حُبّ علی۔ رحمت اللہ

بغض علی۔ لعنت اللہ بے شمار

تبرّیٰ۔ صبح شام مکرّیِ

۱؎ گھس

۲؎ صبح

۳؎ جو

۴؎ اپنی طرف

۵؎ سر اجھنڈ

۶؎ کہا۔

یہاں ایک حِصّہ ختم ہوتا ہے۔ ابھی دو حِصّے اور باقی ہیں جمعرات کو سب ملنگ جمع ہوجاتے ہیں۔ زائرین کی بھی کثرت ہوتی ہے۔ یہ نماز بھی طویل ہوجاتی ہے۔ یہاں سے فارغ ہوکر میں سائیں نانگا کے پاس پہنچا۔ وعدہ یاد دلایا۔ وہ ذرا سنبھل کر بیٹھ گئے کچھ دیر ہونٹ ہلتے رہے پھر میری طرف متوجہ ہوکر شاہ لطیف بری کے حسبِ ذیل واقعات لکھوائے۔

بری امام چلم پیا کرتے تھے۔ تمباکو پر صرف ایک دمکتا ہوا کوئلہ ہوتا تھا۔ بس ایسا کہ ابھی ابھی بھٹی سے نکالا ہو۔ یہی کوئلہ سالہا سال سے اس چلم میں استعمال ہورہا تھا۔ اس کی راکھ بنتی نہ یہ بجھتا۔ کسی اور کو یہ چلم پینے کی اجازت نہ تھی ایک روز آپ باہر تشریف لے گئے تھے۔ پیچھے ایک سید بادشاہ آیا اور بیوی کے منع کرنے کے باوجود (حقّہ) پی کر چلا گیا۔ بری امام واپس آئے تو کوئلے کو بجھا ہوا پایا۔ آپ نے طیش میں آکر بیوی کے پیٹ میں اس زور سے لات ماری کہ وہ حاملہ وہیں مرگئی۔

• جلد ہی یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ مرحومہ کے بھائی۔ اور رشتے دار لاٹھیاں لیکر آگئے۔ شاہ لطیف بھاگ کر جنگلوں میں چلے گئے۔ انھوں نے پیچھا کیا۔ آپ تھک کر ایک پتھر پر بیٹھ گئے۔ مارنے والے بالکل قریب آگئے تو آپ نے پتھر سے کہا "چل میرے گھوڑے"

پتھر ہوا میں اڑا اور آپ کو ندی نیلاں کے کنارے لے گیا۔ یہ پتھر کا گھونا اب بھی موجود ہے۔ میں نے اسے کئی دفعہ دیکھا ہے آپ ندی کے ساتھ ساتھ تیزی سے چلتے رہے جہاں ندی موڑ کاٹتی ہے وہاں ڈھنڈ (گہرا پانی) ہے۔ جب حملہ آور سر پر آ گئے تو آپ اس گہرے پانی میں کود گئے۔ لوگ کنارے پر لاٹھیاں تانے کھڑے تھے۔ مگر آپ اوپر نہ ابھرے۔ چھ مہینے تک انتظار کر کے یہ لوگ ناکام واپس چلے گئے۔

"بری امام نے پانی کے نیچے ہی حجرہ (آتش کدہ) بنا لیا تھا۔ ندی میں بھینسیں نہانے آیا کرتی تھیں۔ آپ اندر ہی اندر ہر روز ایک بھینس کا دودھ پیا کرتے تھے۔ بارہ سال تک زیر آب رہے۔ آپ کا تمام گوشت مچھلیوں نے نوچ لیا۔ پھر غیب سے آواز آئی "لطیف ہم تم ایک ہو گئے۔ اب باہر آجاؤ۔" امام بری باہر آگئے۔"

سائیں ناگا ان رازہائے سربستہ کی نقاب کشائی کر رہے تھے۔ معتقدین آتے جاتے رہے۔ عورتیں تخت پر بیٹھے ہوئے [illegible] آپ ہر ایک کی کمر کو چھڑی سے تھپکی دیتے [illegible] رہے۔ ایک عورت اپنا بچہ آگے کر کے کہنے لگی "یہ [illegible]

ابھی وہ بات ختم کرنے بھی نہ پائی تھی۔ کہ آپ اس دخل در معقولات پر جلال میں آگئے۔ اور ایک موٹی سی گالی دی۔ یہ خاتون سہمی سکڑی ہی دوسری عورتوں کے پیچھے جا بیٹھی۔ میری موجودگی میں تو صرف چار عورتوں نے ایک ایک روپیہ نذر کیا۔ جسے ملنگنی مقفل گلّے میں ڈالتی رہی۔ ایک عورت سلور (ایلومینیم) کے کٹور دان میں کچھ چیز لائی حکم ہُوا کہ کمرے میں لے جائیے۔ کمرے کے اندر سے عورتوں کی دھیمی دھیمی آواز آ رہی تھی۔

گاؤں میں جا کر فقرائے بری امام میں سے جس سے ان بزرگ کا ذکر کیا۔ کسی کو بھی ان کیلئے کلمہ خیر کہنے کا روادار نہ پایا۔ اس کی وجہ عقیدے کا اختلاف بھی ہو سکتی ہے اور کاروباری رقابت بھی۔ اس گاؤں میں نانگا ولایت حسین کے عقیدت مند نہیں۔

---

* اس باب کی کتابت کے بعد ۱۸ فروری ۱۹۶۹ء (یکم ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ) کو ان کا انتقال ہوگیا۔ ۴ اپریل ۱۹۶۹ء کو نورپور شاہاں گیا تو صغر حسین صاحب کو ان کا جانشین پایا۔ تخت سے نیچے فرش پر ان کی گدی ہے۔ بڑی گرمجوشی سے ملے۔ اس دفعہ یہاں پہلے سی رونق نہیں پائی۔

ضمیمہ

ضمیمہ ۱

سید حسن پشاوریؒ کی شاہ لطیف سے ملاقات

پشاور کے معروف بزرگ ابو البرکات سیّد حسن قادریؒ معروف
بہ میراں سرکار (۱۶۱۴ء - ۱۷۰۴ء) شاہ لطیف بریؒ کے معصر
تھے۔ آپ کے سوانح حیات آپ کی اولاد میں سے ایک فاضل صوفی
بزرگ مولانا محمدّ امیر شاہ قادری کی کتاب "تذکرۂ علما و مشائخ سرحد"
کے صفحات ۴۹ - ۶۲ پر ملاحظہ ہوں مولانا نے موصوف اپنے جدّ
بزرگوار پر سند ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ حضرت سیّد حسنؒ اور شاہ لطیف بریؒ
کی ملاقات ۱۰۷۷ھ میں ہوئی۔ حضرت شاہ غلام قادریؒ (بن آغا محمدّ
عابد قادری بن شاہ محمدّ غوث لاہوری بن حضرت سیّد حسن قادری)
کا رسالہ" خوارق العادات یعنی کرامات و خوارق عادات سید حسنؒ "
بہ حبیب گرامی مولانا محمدّ امیر شاہ قادری (یکہ توت پشاور) کے ہاں
دیکھا۔ یہ رسالہ مصنف کا کتابت کردہ ہے۔ سن کتابت

(۵۷۰ا ء) ہے مصنف نے اس رسالے میں جو کچھ لکھا وہ اپنے والد اور جدّ بزرگوار سے سن کر لکھا۔ حضرت سیدّ حسنؒ کی زبانی لکھتے ہیں۔

"چوں در ملک پوتہوار رسیدم شاہ لطیف
مجذوب را دیدم کہ خیلی صاحب نظر
اثر بودند و بامن بسلوک تمام
ملاقات کردند۔ یک دو روز گذرانیده مرخص شدم"

ضمیمہ ۲

حضرت شاہ محمد غوث لاہوریؒ
اور
شاہ لطیفؒ بری کی ملاقات

"باز در پنڈی شاہ لطیف نام مجذوب صاحب
کشف وجذب رفتم۔ اورا دیدم و
آثار مکاشفہ وجذبۂ او معائنہ نمودم
امّا مقصود فقیر کہ چیزے ازو حاصل نشد"

یہ اقتباس شاہ محمد غوث لاہوریؒ کی تصنیف "رسالہ در بیان کسب سلوک وبیان طریقت وحقیقت" سے ہے۔ یہ خطّی نسخہ مولانا محمد امیر شاہ قادری پشاوری کے پاس ہے۔ مولانا موصوف [illegible]

گرامی میں لکھتے ہیں۔

"حضرت قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین شیخنا ومرشدنا سیدنا شاہ محمد غوث صاحب قادری پشاوری ثم لاہوری رحمت اللہ علیہ نے ۱۱۴۲ھ میں ایک کتاب لکھی۔ آپ نے اس کتاب کا کوئی نام نہیں رکھا البتہ اس فقیر کے مرشدان سلسلہ نے اس کتاب کا نام" رسالہ در میان کسب و سلوک و بیان و طریقت و حقیقت تجویز فرمایا۔ نیز جس وقت بھی اس سلسلہ مبارکہ میں کسی فقیر کو صاحب مجاز اور معنعن کیا جاتا ہے تو شیخ اس درویش کو یہ رسالہ مرحمت فرماتا ہے کیونکہ یہی مرشد ارشد کا کام دیتا ہے۔ وہ رسالہ جو پشاور سے چھپا تھا وہ معجون مرکب تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کے چھاپنے والے کو معاف کرے۔ آمین"

شاہ محمد غوث لاہوریؒ کا یہی رسالہ مختلف ناموں سے لاہور اور پشاور سے شائع ہو چکا ہے۔ مگر یہ دونوں ایڈیشن محرف ہیں۔

ضمیمہ ۳

شجرہ نسب مالکان اراضی نُورپُور شاہاں

تعارف

مالکانِ اراضی نُورپُور شاہاں کا یہ شجرہ ۱۸۵۹ء میں تیار کیا گیا اس میں سیاہ، سُرخ اور سبز روشنائی سے نام لکھے ہیں۔ اس شجرے کے نیچے اس موضع کے پٹواری کے قلم سے اس گاؤں کے آباد ہونے کا حال درج ہے۔ بعض لفظ گھسیٹے ہوئے ہیں اور بعض امتدادِ زمانہ سے کچھ مٹ گئے ہیں۔ اور اچھی طرح پڑھے نہیں جاتے ایسے ہر لفظ کی بجائے ہم نے دو نقطے ڈال دیئے ہیں غلطیوں کی اصلاح نہیں کی گئی۔

متن

" حال اوّل اس گانو کا یہ ہے کہ پہلے شاہ لطیف برّی یہاں آئے تو یہ ملک گہکراں کے مقبوضہ میں تھا اور اس جگہ اکثر جنگل ہوتا تھا اور نام اس گانو کا کھا بوت تھا۔ شاہ لطیف برّی عہدِ سلطنت اورنگ زیب شاہ بادشاہ میں جانب ندی نلاں سے آکر یہ مکان ...... سکونت پذیر ہوتے اس بات کو عرصہ تخمیناً دوسو اٹھائیس برس گذرا ہوگا۔ اس وقت تمام اقوام گہکراں مرداں اونکے ہٹے اور بالکل یہ گانو اونکو واگذار کردیا اور قوم گہکڑاں زمین قبضہ میں دیکر .. علیحدہ معافی سے .... ہوکر خالصہ .... اوس قوم گہکراں سے

؎ رایزادہ دنی چند نے اپنی تالیف بگوھرنامہ مرتبہ ۱۷۲۵ء میں شاہ لطیف برّی یا نورپور شاہاں کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ یہ کتاب برّی امام کی وفات کے صرف انیس بیس سال بعد لکھی گئی اور اس میں سید پور کا تفصیلی ذکر ہے۔ اس مصنف نے گکڑوں کو غوث اعظم کا پیرو بتایا ہے اور شاہ چن چراغ قادری (راولپنڈی کا) معتقد بتایا ہے۔

پسری اولاد نہیں ہے۔ جب تک سے آج تک وہ زمین اونکے قبضہ میں بعرف چل رہی ہے۔ اور معافی کی زمین فقیران اور زمینداران کی کاشت میں رہی اور بطورِ دہرم آنہ (؟) کھاتے رہے۔ جب سے شاہ لطیف برّی اس جگہ رونق افروز ہوئے تب سے نام اس گانو کا نور پور شاہاں مشہور ہوگیا اور شاہ لطیف برّی کے پسری اولاد نہیں صرف خادم ہیں۔ چنانچہ چار خادم اونکے جواس وقت ہوئے اونکے نام سے چار ڈھوہ مشہور ہیں۔ دونگ شاہ شاہ سیینی عنایت شاہی مٹھا شاہی اور بکیر شجرہ جو بقلم سیاہی ہیں وہ اولادِ فقیراں سے ہیں اور بقلم سُرخی سے ہیں وہ چیلاں ہیں اور جو بقلم سبزی ہیں وہ صرف قابضِ زمین ہیں"۔

ضمیمہ ۴

دستور العمل خانقاہ شاہ لطیف ۱۸۵۹ء

تعارف

گیارہ دفعات پر مشتمل یہ دستور العمل فقرائے بری امام نے تیار کیا۔ اس پر چاروں پتیوں کے بارہ سر بر آوردہ اشخاص اور متولین گواہان کی علامت دستخط ثبت ہیں۔ افسر مال ضلع راولپنڈی نے ۱۲ ستمبر ۱۸۵۹ء کو کیمپ حسن ابدال میں اس پر حکم لکھا کہ اسے مثل بندوبست قانونی میں شامل کیا جائے۔ اس کی ایک نقل فقرا نے رکھ لی۔ اس کے جو حصے صاف طور پر پڑھے نہیں جا سکتے وہاں ہم نے نقطے لگا دیتے ہیں۔ عبارت میں اصلاح نہیں کی گئی۔

متن

مابانکہ خلیفہ بہادر علی و جعفر علی و ستار علی و میاں نور و پیر بخش و میر فضل فقیراں ڈہوہ مٹھا شاہی۔ نیاز علی، اکبر علی و نور فقیران دونگ شاہی و پیر بخش شاہ حسینی و شاہ میر حیدر و غلام حسین و گاماں کلاں و شاہولی وامیر علی و بدل بخش و گاماں خورد عنایت شاہی خانقاہ شریف کے ہیں۔

جو کہ مابین ہم فقیروں کے جس قدر تنازعات نسبت وراثت دار تھے۔ وہ تو فیصلہ ہوں گے لیکن نسبت امورات متعلقہ درگاہ کہ جس کی تشریح ہم نیچے لکھیں گے بابت اوسکی باہم فقیروں کے اکثر بے انتظامی اور بے احتیاطی ہے اور اوس بے انتظامی اور بے احتیاطی کے سبب سے ایک تو ہمارے مرشد کے مکان کی بدنامی ہے دوسرے جو لوگ طالب اور مرید اس درگاہ کے ہیں وہ بھی ناراض ہیں۔ لہٰذا ہم سب فقیروں نے متفق ہو کر بصلاح ہمہ گر واسطہ انتظام اور احتیاط امورات متعلقہ خانقاہ کے ایک دستور العمل واسطہ عمل درآمد کے تجویز کر کے لکھ دیا اور کل فقیراں [illegible]

کہ ہم جمیع فقیران بموجب مندرجہ دفعات اس دستورالعمل پر قائم رہیں گے اگر کوئی خلاف اس کے کرے گا تو عدالت دیوانی میں اپنی حق رسی بموجب اس دستورالعمل کرائے گا۔

اوّل حال اونکے خانوادہ کا

شاہ لطیف بری کے پسری اولاد نہیں تھی۔ چار طالب جو اونکے مقرر ہوئے۔ اونہیں چاروں کے نام پر چار ڈہوہ مفصلہ ذیل بن گئے: عنائیت شاہی، متھا شاہی، دونگ شاہی، شاہ حسینی۔ تو پہلے بھی بموجب رسم قدیم ہر ایک ڈہوہ کے تعلق علیحدہ علیحدہ خدمت سپرد ہوتی چلی آئی۔ چنانچہ بھنڈارہ تیار کرنا اور بٹانا دونگ شاہوں کے سپرد تھا اور عنایت شاہی میں سے کنجی بردار تھے۔ اور شاہ حسینی میں سے وزیر تھے اور متھا شاہوں میں خلیفہ ہوتا رہا۔ تو اب بموجب دفعات دستورالعمل جو جو خدمات اور کام ہر ایک ڈہوہ کے سپرد کیا گیا اس کی تشریح بیان ہوتی ہے۔

دفعہ اوّل

خلیفہ کے متعلق کیا کیا کام ہوتا ہے۔

جواب۔ خلیفہ جو ہوگا وہ بطور افسر جملہ فقیروں کے سجادہ نشین اس

درگاہ کا بنا رہے گا مگر نسبت ہونے خرچ اخراجات ضروری کے یہ تمیز رہے گی کہ تو مبو پر مہر تو خلیفہ کریگا اور منجملہ سربراہان ہر چار ڈہوہ سے سربراہ جو خلیفہ کے پاس موجود رہے گا تو مبو پر مہر کے ساتھ اس کی نشانی پڑے گی اور وقت کرنے خرچ کے خلیفہ کو یہ کرنا ہوگا کہ چاروں ڈہوہ والوں سے ہی صلاح پہنچ لیویگا یعنی یہ مطلب نہیں کہ وہ ہر ایک سے صلاح پوچھتا پھرے۔ مطلب یہ ہے کہ چاروں ڈہوہ والوں میں سے وہاں خلیفہ کے پاس جو بیٹھا ہوا ہوگا اوسکی نشانی تو مبو پر کرانی ہوگی۔

دفعہ دوئم

بھنڈارہ کا کیسا انتظام ہونا چاہیئے۔ یعنی برتاوا کون کرے اور طعام کس کی معرفت تیار ہوئے

جواب۔ بھنڈارہ جو تیار ہوئیگا۔ وہ نیاز علی دونگ شاہی کی معرفت بنے گا اور الٰہی بخش دونگ شاہی اوسکو برتاوے گا اور کھلاوے گا۔

دفعہ سوئم

کنجی برداروں کو کونسی خدمت سپرد ہوگی۔

جواب۔ اوّل یہ عہدہ عنایت شاہوں کے ڈہوہ میں ...

اُنھیں کے ڈیوڑہ میں رہے۔ یعنی کبھی توشا ہولی رکھے گا اور صُبح شام کے وقت سالوک کا پہنانا اور چراغ کا جلانا اور جھاڑو دینا یہ کام گاماں خورد کریگا۔

دفعہ چہارم

شاہ لطیف کے وزیر جو شاہ حسینی ہیں اونکو کیا خدمت دینوا

چاہیئے۔

جواب ۔ اونکے واسطے یہ خدمت دی گئی کہ جو میر حید رشاہ ہے وہ تو نبو خرچ اخراجات پر نشانی اپنی کیا کریں گے۔ باقی رہا شاہ غلام حسین تو اوسکے واسطے یہ عہدہ دیا گیا ہے کہ کل گانو سے جو وصول ہو اور سوائے ایام میلہ کے جو روزمرہ چڑھاوا چڑھے اور جو چندر دل اور حق بوہا کے آمدنی ہووے ۔ اور جو کرایہ کی آمدنی ہوتے وہ اوسی کے جھول رہے گی۔ مگر امیر علی عنایت شاہی پیر گاں او سکے ساتھ شامل رہے گا اور آمدنی روز مرہ کا۔ ۔ ۔

دفعہ پنجم

اگر کوئی جگہ شاہ لطیف کے مرمت طلب ہو گی تو اوسکی واسطے

تدبیر ہونی چاہیئے۔

جواب ۔ جو جگہ مرمت طلب ہو گی وہ باجازت خلیفہ و بصلاح سربراہان ہر چہار ڈہوہ کے مرمت کرائی جاوے گی ۔

دفعہ ششم

لمبردار جو اس جگہ میں تجویز ہوئے اکثر اونکو سرکار دربار میں بھی جانا پڑے گا و نیز اکثر لوگوں کے مطلے بعت بھی اونکے ذمہ زیادہ ہوگی تو پس بلحاظ ان مراتب کے اونکے گزارہ کیلئے کچھ تجویز ہونا ضروری لذ خلیفہ کو کیا ملے گا ۔

جواب ۔ جس قدر اونکا گزارہ تجویز کر دیا گیا ہے ۔ اوسکی تفصیل یہ ہے ۔ کہ خلیفہ کے آگے اوسکی گدی پر خواہ میلہ کے وقت خواہ آگے پیچھے جو کچھ چڑھے وہ اوسی کا حق ہوگا اور ایک خدمتگار واسطہ حقہ بھرنے وغیرہ کے جو خلیفہ کے پاس رہے تو ایک اثار آرد اور ایک چھٹانک روغن زرد سدا برات سے روزمرہ اوسکو ملے گا اور ایک چھٹانک تیل روزمرہ واسطہ چراغ چلانے کے اور ایک پاو تمباکو واسطے حقہ پیون والوں روزمرہ ملتا رہے گا اور ایک اثار آرد اور ایک چھٹانک روغنِ گنج علی یعنی جو کوئی جابجوب گشتی کرے اوس کو ملے گا اور خلیفہ کو واسطہ پوشاک کے عالے روپیہ ۔ [illegible] گا اور خلیفہ کا گذارہ سابق سے زیادہ ہوگیا ہے [illegible]

آگے اونکا کچھ دخل نہیں تھا۔ تو وہ گانوں اب اونکو مل گیا مگر وہ حین حیات ہی جب تک واگذار ہے۔ خلیفہ کو اور گذارہ نور پور سے نہیں ملتا۔ جس وقت وہ ضبط ہو جاوے تو کروال والی زمین علاوہ اس عــ روپیہ کے خلیفہ کو ملے گی یعنی اوسکا پیداوار کھانا رہے گا۔

اور جو لمبردار تجویز ہوئے ہیں اونکو پانچ روپیہ سینکڑہ جو سرکار سے تجویز ہوئے وہ بھی ہمراہ مال جمع کرے گا۔ اوس اس میں سے نـ روپیہ چاروں ڈھوہ کے لمبرداران کو بتفریق ملے گا کیونکہ اور گذارہ اونکا بند ہو گیا۔

متھا شاہی، دونگ شاہی، عنایت شاہی، شاہ حسینی،

عــ عــ ، عــ ، عــ

ستار شاہ جعفر علی ۵ حصے ا حصہ

اور ما ــ روپیہ واسطہ خرچ جملہ فقیراں حسب حصص مندرجہ دفعہ ہفتم تقسیم ہو گا۔ اوس میں ــ روپیہ کی زمین جو ہمراہ مکانات کے جس جس حصہ دار کو ملی ہوئی ہے۔ وہ مجرا ملے گی اور فرد تقسیم اوس حصص کے آئندہ درج ہو گی اور منجملہ متھا شاہی ..... کے اس روپیہ سے علی اکبر کو

دفعہ ہفتم

نمبرداران کا گزارہ تو ہو گیا مگر جو اور حصّہ دار اس درگاہ کے ہیں اونکو بھی بموجب حصص کے کچھ ملنا چاہیئے یا نہیں۔
جواب ۔ ان حصّہ داروں کو بموجب حصص تفریق شدہ ہذا کے حصّہ ملے گا۔ چنانچہ کل اونکا حصّہ ۶۰؎ روپیہ فرض کرکے ہر ایک حصّہ دار کا حصّہ تفریق کیا جاتا ہے کہ بموجب اوسکے وہ اپنا اپنا حصّہ پاویں گے یعنی جو کچھ ملے گا اسے تقسیم پر ہر ایک حصّہ دار اپنا پاتا رہے گا۔ حصّہ فرض کل ۶۰؎ مٹھا شاہی، دونگ شاہی، عنایت شاہی شاہ حسینی

شاہ حسینی	عنایت شاہی	دونگ شاہی	مٹھا شاہی
عــــ	صـــ	عــــ	عــــ

دفعہ ہشتم

اور تو کچھ تمیز نہیں تھی اولاد پیری بھی مالک تھی اور چیلہ بھی مالک بن جاتے تھے۔ اب تو پیری اولاد کے واسطے کچھ تمیز ہونی چاہیئے یا نہیں۔
جواب ۔ آئیندہ کے واسطے یہ شرط قرار پائی کہ باوجود اولاد پیری کے طالبوں اور چیلوں کو ملکیت نہیں ملے گی

حصے کے پسری اولاد نہیں ہوں گی تو جو طالب اوسکا لائق اور مرشد کی خدمت میں حاضر رہا ہو اور مرشد نے بھی اپنا ورثہ، اوسکو بخش دیا اور لکھ دیا ہو تو پھر ایسا چیلہ بھی مالک ہو سکے گا۔

لیکن اب اس وقت جو حصہ فقیران موجودہ کا لکھا گیا منجملہ اونکے کیا پھر کیا چیلہ اور طالب وہ سب مالک متصوّر ہوں گے کیونکہ یہ دستورالعمل جو تجویز ہوا تو واسطے عمل درآمد آئندہ کے تجویز ہُوا ہے۔

مگر بعضے بعضے فقیران اس درگاہ کے زمینوں پر قابض ہیں اور زمینوں کی پیداوار ہی کھاتے ہیں۔ تو اونکا حصہ یہاں اس واسطے نہیں لکھا گیا کہ اس حصہ کے عوض اونکو وہاں سے گزارہ پہنچ گیا ہوا ہے۔ اور گزارہ بھی اونکا بنا ہوا ہے اور جس شخص کا کوئی چیلہ بھی نہ ہو اور بیٹا بھی نہ ہو تو اوسکا حصہ اس کے حقیقی بھائی کو پہونچے گا۔ اگر حقیقی بھائی بھی نہ ہو تو تایا یا چچا زاد کے ڈہوہ میں سے قریبی دار اوسکا ہو اوسکو پہنچے گا۔

اگر بیٹا نہ ہو صرف چیلے ہی ہوں تو بھی باوجود موجودگی بھائیں

حقیقی، نانا یا چچازاد بھائیوں کے اوس چیلہ کو حصہ نہیں ملے گا۔ ہاں اگر وہ اصل حصہ دار رو بروئے فقیران ڈہوہ والوں کو لکھ کر دے گیا ہو تو البتہ اوس چیلہ کو پہنچے گا مگر اس شرط سے کہ چیلہ اوسی ڈہوہ کا فقیر ہو دوسری ڈہوہ کا فقیر نہ ہو۔

دفعہ نہم

اگر کوئی شخص منجملہ فقیروں اور حصہ داراں درگاہ سے چوری کرے یا غبن کرے تو ایسے شخص کے واسطے کیا تدارک ہونا چاہیئے۔

جواب۔ جو شخص ایسا کام کرے گا۔ تو گویا ایسا شخص خانقاہ کا چور ہوا تو پس جو حصہ وہ خانقاہ سے پاتا ہے اوسکو اوس حصہ سے محروم کیا جاوے گا۔

دفعہ دہم

بدوں وزن کشی ہر چیز کے بڑی بے انتظامی ہوتی ہے تو کوئی شخص واسطہ وزن کشی کے...... بنانا ضروری ہے تو کون آدمی اس کام کے واسطہ تجویز کیا جاوے۔

جواب۔ پیارا سنگھ کھتری باشندہ نورپور شاہاں تجویز کیا گیا اور آئندہ اگر اور کوئی کھتری تجویز کرنا ہو گا تو بصلاح سب ڈہوہ والوں کے مل کر تجویز کیا جاوے گا۔

دفعہ یازدہم

جو خرچ برچ خانقاہ ہوتا رہے گا۔ اوسکا حساب کون رکھے گا۔

جواب ۔ جو آدمی حاکم تجویز کرے گا وہ ہی لکھے گا۔ مگر آنکہ حساب آٹھویں روز کا ۔ ۔ ۔ سے بموجب نثار علی شاہ لکھ لیا کرے گا اور ہر مہینے مہینے کا حساب چاروں ڈہوہ کے لمبردار بیٹھ کر لکھ لیا کریں گے۔ اور جو حساب جندراں یا خانہ شماری کا کرایہ ۔ ۔ ۔ یا آمدنی زمینوں کا ہوگا۔ اوسکے ۔ ۔ ۔ ۔ پٹواری کے کاغذ میں لکھا دیا کریں گے۔ المرقوم ۱۲ استمبر ۵۹ء

مراد علی نیاز علی الٰہی بخش دو تنگ شاہی
امیر علی گاما ثنا ہولی عنایت شاہی
نثار علی شاہ حیدر شاہ غلام حسین شاہ (مہر) پیر بخش
شاہ حسینی۔ جعفر علی متھا شاہی ۔

گواہ شد	گواہ شد	گواہ شد
محمد خاں	فتح خاں	امیر علی شاہ

ضمیمہ ۵

نسب نامہ شریف سے اقتباس

تعارف

یہ موجود تحریروں میں سب سے قدیم تحریر ہے جس میں شاہ لطیف بریؒ کا نسب نامہ اور سنِ وفات پائے جاتے ہیں۔ بحرِ ہزج سالم میں دو ہزار چار سو بیس فارسی اشعار پر مشتمل یہ نسب نامہ ماہ ربیع الاوّل ۱۲۹۹ھ میں لکھا گیا۔ مصرع "بزنمش آمد نسب نامہ شریف" سے سنِ تصنیف نکلتا ہے۔ اس نسخہ کی تاریخ ختمِ کتابت ۱۱ شعبان ۱۲۹۸ھ = ۹ جولائی ۱۸۸۱ء ہے۔ مصنف محمد شاہ مشہدی متخلص محمد ساکنہ موضع سید تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی ہیں۔

صوبہ دار امداد حسین شاہ نے خانقاہ شاہ چن چراغ کے محکمہ اوقاف کی تحویل میں دئیے جانے کے بارے میں حکومت مغربی پاکستان کے خلاف ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج راولپنڈی کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا اس نمبر۱۲۶۲/۵ وقف کیس آربٹریشن ایکٹ کا فیصلہ اس معزز عدالت نے ۲۳ دسمبر ۱۹۶۳ء کو کیا۔ مدعی نے نسب نامہ شریف کا مذکورہ بالا خطی نسخہ بھی عدالت میں پیش کیا جو شاملِ مثل کیا گیا۔ مدعی کے بڑے بھائی عابد حسین شاہ ولد دیوان شاہ سکنہ موضع سیّد نے اس نسخے کی ایک نقل رکھ لی تھی۔

یہ سادات مشہدی کا جزوی نسب نامہ ہے جس کے مسؤل خود محمد شاہ مشہدی ہیں، اس میں حضرت علیؑ سے شاہ لطیف برّی تک بتیس نام ہیں، املا کی بچکانہ غلطیاں متعدد ہیں۔ مثلاً، اسم بر حسب لفظ، مدفن، نسل، مہ (ماہ) جمع (جمعہ) ذالحج، جماد کثانی اس میں سے ہم بقیہ صفحہ صرف وہ اشعار بغیر اصلاح نقل کرتے ہیں جن میں حضرت موسیٰ کاظم کے فرزند اسحاق سے شاہ لطیف برّی تک کے نام ہیں۔

تتمہ

صفحہ ۵۲

قطب اوّل زسادات از مشہدی جدّ مشہور است
پدر شد موسی کاظم پسر اسحاق پرنور است

بروز جمعہ چوں تولد نمود — کہ مادر کلیمہ زاسحاق بود
بذالحج شدہ یازدہ سخن سنج — کہ یکصد دگر سال پنجاہ بود

صفحہ ۵۴

وفاتش بیک صد نود چار بود — شبی بود پنجشنبہ رحلت نمود
سہ فرزند اسحاق را خوش خرام — محمد دگر بود عباس نام
حسن سومی پسر شد آن جناب — زتاریخ شد لپسر سہ انتخاب

صفحہ ۵۵

قطب دوم محمد اسم آن را چون بیان کردم
پسر اسحاق را اوّل نسب او را عیاں کردم

تولد بروز سہ شنبہ بیاں — کہ شعبان را شانزدہ ہشت عیاں
کہ سال تولد لفظ یا نعیم ۱۸۱ — وفاتش نمودار یا جد مقیم ۲۰۰
کہ اول محمد لقب نساں سبب — زاسحاق اوّل شد این خوش نصیب

صفحہ ۵۶

یکے پسر شد قاسم عبداللہ نام | بحمل پدر بزرگیش تمام
ولادت بقاسم کنم آشکار | کہ دو صد گزشتہ از دہ شد شمار
وفات از ولی قاسم عبداللہ | حرم ۲۴۸ شد ز ہجرت رسولِ خدا
کہ در ملک مشہد مقدس عیاں | مدفن شدہ آں ولیٔ زمان
یکی قاسم عبداللہ نورِ نظر | کہ عالم محمد اسم آں پسر

محمد عالم از تاریخ ذکرش در بیان کردم
پدر آں قاسم عبداللہ نسب نامہ عیاں کردم

تولد بروز دو شنبہ پدید | کہ تاریخ اوّل رجب شد سعید

صفحہ ۵۷

کہ دو صد چہل سنہ ز ہجرت عیاں | وفات از حرف ۲۰۵ قادر عیاں
کہ ہفت از محمد پسر شد مگر | ہمہ ہفت عابد و صاحب ہنر
ازان موسیٰ اوّل حسن زاہد است | دگر پسر اسحاق ہم شاہد است

ے یہاں مصنف سے سہواً قاسم عبداللہ کا سن ولادت دو صد شانزدہ یعنی ۲۱۰ھ لکھا گیا۔ اس سے تین شعر پہلے ان کے والد محمد کا سالِ وفات ۲۰۰ با حرف مقسم سے ۲۱۰ھ بتائی ہے۔

۵۸

بموسے نام اوّل ہم حسن زاہد لقب آنرا
ثنا خوانی جدا جد و ل کنم نامہ نسب آنرا

تولد شدہ پنج شنبہ عیاں زشعبان شب پانزدہ در بیان
زہجرت نبی سال شد یادگار دوصد پنج ہشتاد شد در شماد

صفحہ ۵۹

بماہ جادکہ ثانی بنام دران یازدہ رحلت لاکلام
وفاتش بہ سہ صد نود ہفت نیز شد آں شاہ والائی صاحب تمیز
چو موسے اوّل حسن القاب او کہ نور خدا بود ہم نیک خو
ازاں گفت موسیٰ اوّل خطاب کہ اولاد ایں موسیٰ کاظم جناب
بنا شد ز فرزند او موسے نام ازاں موسیٰ اوّل شدہ شہرہ عام
کہ القاب زاہد ازاں شد ولی عبادت کنندہ بمثل علی
چوں ایں پیدا شد نام موسے نھاد صفحہ ۶۲ کہ ایں موسے اوّل از موسیٰ نزاد
کہ اسحاق ثانی و سید حسین سیم سید شاہ موسیٰ را نور عین
ہمیں سہ برادر کہ فرخندہ حال بیک مادری او خجستہ خصال

صفحہ ۶۲

ثنائش میکنم اسحاق ثانی اسم شد ظاہر
پدر موسیٰ حسن شیریں زبانی اسم شد ظاہر

بروز ادینہ تولد شدہ | کہ ذی الحج بود ماہ ہم ہفت دہ
کہ سال تولد چو اسحاق را | کنم ظاہر آن نیک اخلاق را
کہ ۳ صد نود پنج آمد نظر | شدہ سال ہجرت نبی سربسر
وفاتش شدہ بیستم مہ صفر | کہ آں شب ادینہ بوقت سحر
نود چار صد سال شد در رقم | خبر یافتم این ز اہل قلم
کہ اسحاق لقب ثانی شہیر | ازاں گفت خلقت کہ روشن ضمیر

صفحہ ۶۶

کہ اسحاق را پسر بودند چار | کہ یوسف و عباس عالی وقار
سیم بود فرزند علی الامیر | کہ آفتادگاں را شدہ دستگیر
ربع عبدالرحمٰن رئیس الزمان | علیحدہ کنم وصف اورا بیاں

صفحہ ۶۷

اسم عبدالرحمان راعیاں کردم بیاں آنرا
پدر اسحاق ثانی شد محمد مدح خواں آنرا

ؔ موسیٰ حسن زاہد بقول مصنف ۲۸۵ھ میں تولد ہوئے ایک سو بارہ سال کی عمر میں ۳۹۷ھ میں وفات پائی ان کے فرزند اسحاق ثانی ۳۹۸ھ میں تولد ہوئے یعنی اس وقت انکے والد کی عمر ایک سو دس سال اُنہوں نے پچانویں سال عمر پائی۔

تولد شدہ پنج شنبہ عیاں دہم رجب پیدا شدہ در جہان
دراں سال سعد و ہشتاد بود کہ ایں پارسائی ولادت نمود
ہمہ زندگی او بجوشِ حال شد وفاتش چہل چار صد سال شد

صفحہ ۷۰

ولی پنج تن زند او مہ جبین یکی بدرالدین ہم دگر صدرالدین
سیم بود پسرا و علی الامیر کہ القاب او بر بیان پیر
چہارم پسر نام او اسمٰعیل کہ پنجم حیات اللہ میران جلیل
ولادت علی الامیر آشکار کنم چار صد د وازدہ در شمار
علی الامیر آنکہ رحلت ظہور کہ پنجاہ دگر چار صد شد ضرور

صفحہ ۷۱

کنم جد ولی جدا آنرا علی الامیر شد نامش
پدر عبدالرحمان آنرا حقیقت گشت انجامش

تولد بروز جمعہ شد عیاں شدہ نام روشن علی در جہان
علی عالمی بود مشہور عام کہ شیریں سخن ہم وضاحت کلام

صفحہ ۷۲

دو نور بصر از علی یادگار کہ سلطان ابوقاسم از نام دار
دگر نور عبداللہ ثانی پسر ہمیں دو پسر از علی سر بسر

صفحہ ۷۲

ابوقاسم حسینی المشہدی لقب ہم سلطان
کہ او شد مجتہد صاحب روایت سید ذی شان

تولد شب آدینہ شد آشکار   بماہ صفر نوزدہ در شمار

دراں چار صد یازدہ سال بود   تولد ولی چوں بدنیا نمود!
ابوقاسم آنرا پدر نام کرد   بعزو بلو مسکین انعام کرد

صفحہ ۸۱

ولی ہفت فرزند مشہور بود   ہمہ اولیا بود پر نور بود
محمد کہ اوّل و سابق لقب   دگر فخر الدین است ہم بہی حسب

صفحہ ۸۳

محمد احمد و سابق پسر ابوقاسم

تولد شدہ آن ولی زماں   ز رمضان شد بست و ہفتم عیاں
ولادت ولی فرخ البال بود   کہ ہشتاد و شش چار صد سال بود

صفحہ ۸۵

کہ پنجاہ ہم پنجصد بود سال   ز رحلت محمد مشہدی کمال!
نسل ماند آں مہر و سپہر سالکین   پسر نام سلطان ہم صدر دین
چوں سلطان صدر دین آں مظہر   [illegible]

۱

وفاتش نود پنج صد ہم چہار ‌ ‌ ز ہجرت محمد رسول آشکار

صفحہ ۸۶

صدر دین را دو پسر کامیاب ‌ ‌ رضا دین ہم سیّد عبدالوہاب

کہ از سلطان صدرالدین ہم او شد پیشوا خلقت
جدا جدول ہمیں سازم رضا دین رہنما خلقت

بروز ادینہ تولد سعید ‌ ‌ بذی القعد ماہ میان دو عید
چوں آں نیک بخت از جہاں رو نمود ‌ ‌ در انوقت ہم ساعت سعد بود
شدہ پنج صد ہم نود یک عیاں ‌ ‌ ز ہجرت نبی سال شد درمیاں
رضا دین نام ایں پدر کردہ بود ‌ ‌ بنازو نیاز آنکہ پروردہ بود

صفحہ ۸۷

پسی ماند فرزند دو آنجناب ‌ ‌ محمد و سید اللہ شاہ شد خطاب

صفحہ ۹۱

محمد ثانی الغازی غزاہش با مخالف دین
پسر حضرت رضا دیں اہل عزت صاحب تمکین

صفحہ ۹۲

محمد تولد چو شد در جہان ‌ ‌ دراں روز شد پنج شنبہ عیاں
در ماہ ذی الحجہ ولادت ظہور ‌ ‌ بدنیا ازاں شد عبادت ظہور

کہ ششصد دگر پانزدہ سال بود تولد ولی را ازاں حال بود

صفحہ ۹۶

کہ رحلت محمد شہی باکمال ز ششصد فزوں بود ہشتاد سال
پسر بود دو آں ولی را عیاں وصیت باں کرد شد از جہاں
یکی آنکہ عبداللہ نام آں پسر دگر شد محمد ولی سربسر
محمد ولی را پسر در شمار کہ نامش وجیہ الدین شد آشکار
وجیہ الدین را پسر عبدالکریم زعبدالکریم است دو دریتیم
یکی آنکہ عبدالخالق است نام دگر شد علی شیر صاحب کرام

صفحہ ۹۷

علی شیر آں ولی کامل پدر عبدالکریم آنرا
جدانش میکنم جد ولی جہاں گوید رحیم آنرا

تولد علی شیر را آشکار جمعہ بود از روزہا در شمار
چہ سال ولادت کنم درکتاب کہ ہشتاد شد ہفت صد در حساب
تولد چو شد آں ولی زماں علی نام روشن شدہ در جہاں
ازاں شیر مشہور گردید عام کہ شیوہ شجاعت شدہ در جہاں

دگر سید آدم پسر نور عین — ز آدم پسر بود سید حسین

پسر دو ز سید حسین آشکار — یکی بود عبد الغنی نامدار

دگر پسر سید کریم است نام — ازیں دو پسر بود اولاد عام

ز عبد الغنی سه پسر ہوشیار — که الیاس و عباس عالی وقار

سیم بود عبد الغالب مشہور — ز عباس اسکندر آمد ظہور

چو اسکندر آں را پسر مثل ماه — که نام آں ولی بودله بود شاه

که از بودله سید حامد عیاں — ازاں پسر محمود شد در بیاں

ز محمود فرزند سید شریف — که نام آں ولی بود برّی لطیف

محمد ہمیں شجره اینجا رسید — چو مدح لطیف از دلم شد پدید

دلا وصفی بکن برّی لطیف آنرا جہاں گوید

ولی والی ولایت واقعی سر نہاں گوید

لطیف آں چناں بود مرد اولیاء — خداهش به پنجاب کرد اولیاء

علف خوردن آنرا غذا بود خاص — مگر بود از رنج دنیا خلاص

صفحه ۹۹

بود از شب روز بندگی — بسر کرد در بندگی زندگی

[illegible] گردید بر کوه دامون و دشت — بعالم ازاں برّی مشہور گشت

[illegible] شده ز [illegible] دہر — غرق بود در کوہی [illegible] و نہر

کزآن بود گرداب اکثر عمیق | دراں دوازده سال شد تشنه غریق
چو بگذشت آں سال محنت تمام | بیامد یکی شخص بهو تو بنام
باستاد چو بر سر جوئی دید | بجنبید آب صدائی شنید
توئی واحد لاشریک منم | خدا باد در بندگی تو تنم
کرم کن تو بر بنده جان ضعیف | الهی منم بنده برّی لطیف
اگر رمق ماند بتن جان من | نیم غافل از بندگی یک زمن
صدائی چو شنید دهقاں بگوش | ازیں خوف بیگانه او شد ز هوش
بدل گفت با ایزد کارساز | ازیں آب آواز آید چه راز
دریں آب یا زاهد پارسا است | وگرنه همه قدرت کبریا است
دل خویش را کرده پخته نخست | ازاں بعد در آب زد غوطه جست
چه دید آں یکی آدمی حق پرست | صفحه ا که حق حق حکایه زبانش لبش ست
رگ و ریشه تن را همه حوت خورد | فقط استخواں ماند و زخانه برد
چو بودند در خانه دهقاں هیش | ز صد و حصار فرزوش گاو میش
چو آں پیر را مرد روشن ضمیر | غذا کرد هر روز یک کاسه شیر
ز هر گاومیش که شیرش بداد | بدوں ها نوح ازا [illegible]
چنیں تا بچندان ایام خاص | [illegible]

چو گردید آں گاؤمیشاں ہلاک — بیفگند ہمہ جیفہ در مغاک
چو حیراں گردید دہقان پیر — بحضرت نیاورد آں روز شیر
بطلبید حضرت چوں آں شیر نوش — دراں ماند آں روستائی خموش
بپرسید حضرت خموشی چراست — نیاوردہ شیر چوں ماجراست
بگفتا کجا آورم شیر پیش — کہ زندہ نماندہ کسے گاؤمیش
چو شنید حضرت ز دہقان پیر — کہ در خانہ اش نیست یک جام شیر
دعا کرد یا ایزد ذوالمنن — بحق نبی و علی الحسن
بحق حسین و بحرمت بتول — اجابت بکن بہر عترت رسول

صفحہ ۱۰۱

بکن زندہ ایں گاؤمیشاں تمام — شود نسل شاں تا بدنیاں قیام
تعقل نمود آں زبہر جواب — ازاں بعد دہقان را شد خطاب
برو بر سر جوئی آواز کن — بزودی ازاں آمدن باز کن
گر زندہ باشی چو تیر از کماں — ببیں بر سر راہ پس از زیاں
چو شنید دہقان ز حضرت جواب — ہماں وقت شد بر سر جوئی آب
یکے داد آواز با گاؤمیش — بزودی رواں شد سوئے خانہ خویش
بحکم الٰہی ہمہ زندہ شد — صدا داد دہقان گریزندہ شد
[illegible] — بروں آمد از آب ہم پا و دل

چو آواز شد گاومیشاں مہیب | بترسیدانز ماجرائی غریب
پسی دید چوں روستا تنگ بار | ازاں گاومشیاں شدہ سنگ وار
ہر آں گاؤ از آب بیروں شدند | بدہقاں ازاں نسل افزوں شدند
ہماندست در نسل دہقاں ہنوز | ازاں نسل بس گاومشیاں ہنوز
کسے گرد خرد زیں نسل گاؤمیش | بمیرد نہ زاید یکی بچہ خویش
بباعث دریں بخشش آویارست | خریدار دیگر ازاں کی رواست

ص ۱۰۲

براں ماند در آب شد چو نہنگ | سروشاخ وہم گوش و پاگشت سنگ
مثل گاومیشاں نقش و نگار | ز قدرت تراشیدہ شد آشکار
کرامت ہمیں اولیاء شد ظہور | ازیں بیشتر بارہا شد ظہور
ولیکن مرا بود دیگر خیال | کرامت ہمہ رقم ایں جا حال
وفات آں ولی راکنم آشکار | شدہ یکصد و ہفت دہ یکہزار
نشانی قبر آں سراپای نور | بہشتی مکاں است در نور پور
چناں نور پور است در پیرامین | رواں جوی شیریں گرد چمن
ہمہ ہر کس را چنیں [illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]

همه مردم از کابل و کاشمیر　　بیامد چو در روضه روشن ضمیر
زمردم پشاور دگر هر دیار　　سلامی همه بر شهی نامدار
که در ماه فروردی اردی بهشت　　جمع گشت خلقت چه زیبا و زشت
همه فیض از درگهش یافتند　　زیارت کنان باز بر تافتند

ص ۱۰۳

محمد ترا وصف این در شمار　　نیاید کنی گر جریده هزار

ص ۱۷۸

شمردم همه بیت کردم شمار　　سیم چار صد شعر هم دو هزار
زتالیف تاریخ کردم طریف　　ز بخش اسم نسب نامه شریف
چهل دو سُرخ حد کشیدم درین　　بسالم هزرج آرمیدم درین
چو انگشت حاسد شود باک نیست　　گل تازه از خار کاواک نیست
سکونت من از شهر سید مدام　　ضلع پنڈراول شده زین مقام

حمد و سپاس بدرگاه قادر لایزال و نعمت مالا مال
سرور کائنات را که کتاب مستطاب من تصنیف عمده
خاندان مصطفوی و نقاده دودمان مرتضوی سید
محمد شاه مولوی ملقب بشهدی سوم

باین کتاب نسب نامہ شریف فیض خاص و عام سادات گردید۔ بر ناظران ذوفنون واضح ولائح باد کہ کتاب مذکور را از الفرق تا اہلال چوں بوستے گل نہان بدارند مورخہ ماہ ربیع الثانی ۱۲۹۸ھ ہجری نبوی تمام شد

تمت تمام شد   کارمن نظام شد

این نسخہ نسب نامہ شریف از دستخط سید شاہ ولد مرید حیدر شاہ ساکن سید خاص تحریر یافت مورخہ ۱۱ ماہ شعبان ۱۲۹۸ھ مطابق ۲۷ ماہ ہار ۱۹۳۸ء تمام شد۔

ضمیمہ ۶

نسخہ صحیح کرامات شاہ لطیف بڑے

منسوب بہ

غلام حسین شاہ بخاری

یہ خطی نسخہ صاحب حسین شاہ بن گلاب شاہ بن شبیر شاہ بن غلام حسین شاہ بخاری کے پاس موضع ساگری تحصیل راولپنڈی میں ہے۔ مصنف کے پوتے عنایت حسین شاہ کے ساتھ ساگری گیا اور اس نسخے کو نقل کیا۔

غلام حسین شاہ بخاری کے انتقال (۱۸۹۴ء) کے بعد آپکے فرزند لعل شاہ بخاری متوفی ۱۹۱۷ء نے اصل نسخہ کسی سے نقل کرا کے طباعت کیلئے تیار کرایا۔ اس نقل کے آخر میں بیضوی مہر "غلام حسین" غالباً مصنف کے انتقال کے بعد لگائی گئی ہے۔ مصنف کے ورثاء کا اصرار ہے کہ اس نسخے کو حرف بحرف بغیر کسی تحریف کے شاملِ کتاب کیا جائے ساتھ ہی اس کا ترجمہ بھی لکھ دیا جائے۔ میں نے اپنے

خطوط میں ان سے وعدہ بھی کر لیا تھا۔ مگر اب دیکھتا ہوں کہ اگر اسے اسی حالت میں شائع کرا دیا جاتے تو اس سے مصنف کی توہین ہوگی۔ کیونکہ املا اور عبارت کے لحاظ سے میری نظر سے آج تک اتنی غلط مطبوعہ یا غیر مطبوعہ کوئی کتاب نہیں گزری۔ غلط عبارت کا ترجمہ بھی ناممکن ہے۔

بایں ہم اس نسخے کی اہمیت بھی ہے۔ موجودہ تحریروں میں یہ قدیم ترین تحریر ہے جس سے شاہ لطیف بری کے حالاتِ زندگی کا علم ہوتا ہے اور اس کے لکھنے والے فقرلئے بری امام میں سے ایک ہیں۔ یہاں ہم اس کے سرورق اور ابتدائی ساڑھے چار صفحوں کو بغیر کسی تصرف کے نقل کرتے ہیں کیونکہ یہی حصّہ ہے، جس سے شاہ بری کے حالات کا اندازہ ہوتا ہے۔ باقی صفحات میں سات کرامات بیان کی گئی ہیں۔ جنہیں ہم معناً باب۲ میں درج کر چکے ہیں۔

متن

افوض امری الی اللہ

نسخہ صحیح کرامات شاہ لطیف بری

واللہ علم باحتیاط شیرین سخن پستہ دہن اعنی سید لعل شاہ انطباع یافت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شجرہ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید العرب والعجم علیٰ آلہٖ وصحبہٖ واھلبیتہٖ واھل الفضل والکرام اجمعین

امابعد۔ میگوید قدوۃ خاندان مصطفیٰ زبدہ دودمان مرتضوی سید غلام حسین شاہ این شجرہ راکہ اولاد راباں وصیت میکنم کہ یادگیرند وفوائد خواہند یافت سید السادات والکرامات والکفایات والسخایات والشجاعات حضرت سخی سلطان پاک لطیف بری بادشاہ معہ جدی وطالبی ومعہ تواریخ ہائی روز ولادت حضرت شاہ سید محمود ابن شاہ احمد ابن ... المظفر روز جمعہ وقت صبح صادق بتاریخ ہفتم ماہ صفر المظفر

۹۹۵ ہجری مقدسہ گذشتہ اند۔ تمام عمر ایشان ہشتاد و ہفت سال بود
اولاد ایشان سہ فرزند و یک دختر و یک اہلِ خانہ داشتند۔ اسم شریف
دختر مذکورہ بنام بی بی خاتون۔ اسم اہلِ خانہ مذکورہ بنام بی بی غلام
فاطمہ آسائیں مذکورہ فرزنداں اوّل حضرت شاہ لطیف بری امام، دوم
شاہ درویش محمدؒ، سوم سید چھوٹا شاہ متوطن مذکورہ آبائی و اجدائی ایشاں
در موضع کرسال بود در قصبہ سید کسراں از باعث رنجیدہ خاطر ہمراہ
شاہ درویش برادر خود ایں ہر دو فریقین متنازعہ و مجادلہ بنا راضی استفسا
احوال ہویدا ساختہ ازیں باعث با قصبہ راولپنڈی آمدہ بودند سکونت
ایشاں در موضع باغ پہٹ علاقہ سید پور متصل آباد شدند در آنوقت
عمر آنحضرت یعنی شاہ سید محمود ہفتاد و ہشت سال و چہار ماہ بود چنانچہ
حضرت شاہ سید محمود وفات یافت شد بروز جمعہ وقت چاشتگاہ فراغ،
بتاریخ یازدہم ماہ محرم الحرام ۹۰۲ ہجری مقدسہ گذشتہ اند مکان
و تربت در موضع باغ خاص کردہ اند معروف و مشہور است وقت
مرغ بانگ بتاریخ سیزدہم ماہ رجب ۱۰۹۲ھ صلی اللہ علیہ وآلہ مقدسہ
گذشتہ اند عمر تمام ایشاں نود و یکساں داشت و اولاد ایشاں دختر
بنام بی بی مقبول خاتون [illegible] شاہ [illegible]
بی بی بخت [illegible]